رسول اللہ صلعم کے حالات و غزوات، اخلاق و عادات اور تعلیم و ارشاد کا یہ عظیم الشان کتابی ذخیرہ جسکا نام سیرۃ النبیؐ عام طور سے مشہور ہی مسلمانوں کے موجودہ ضروریات کو سامنے رکھکر صحت و اہتمام کیساتھ مرتب کیا گیا ہے، اب تک اس کتاب کے پانچ حصے شائع ہو چکے ہیں، پہلے میں ولادت سے لے کر فتح مکہ تک کے حالات اور غزوات ہیں، اور ابتدا میں ایک نہایت مفصل مقدمہ لکھا گیا ہے، جس میں فن سیرت کی تنقید و تاریخ ہے، دوسرے حصہ میں تکمیلِ دین، تاسیسِ حکومت الٰہی، وفات، اخلاق و عادات، اعمال و عبادات اور اہلبیت کرام کے سوانح کا مفصل بیان ہے،

تیسرے حصہ میں آپ کے معجزات و خصائص نبوت پر بحث ہے، اس میں سب سے پہلے عقلی حیثیت سے معجزات پر متعدد اصولی بحثیں کیگئی ہیں، پھر اُن معجزات کی تفصیل ہے جو بروایت صحیحہ ثابت ہیں اس کے بعد ان معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید و تفصیل کی گئی ہے، چوتھے حصہ میں ان اسلامی عقائد کی تشریح ہو جو آپ کے ذریعہ مسلمانوں کو تعلیم کئے گئے ہیں کوشش کیگئی ہے کہ انہیں قرآن پاک اور احادیث صحیحہ سے اسلام کے صحیح عقائد لکھے جائیں

پانچویں حصہ میں عبادت کی حقیقت، عبادات کی تفصیل و تشریح اور اُن کے مصالح و حکم کا بیان ہے اور دوسرے مذاہب کے عبادات سے اُن کا مقابلہ و موازنہ ہے،

چھٹا حصہ جو اخلاق پر مشتمل ہے اس وقت زیر طبع ہے،

قیمت باختلاف کاغذ حصہ اول تقطیع خورد للعہ [illegible]، حصہ دوم تقطیع کلاں ۓ، تقطیع خورد صہ روپیے، حصہ سوم تقطیع کلاں سے [illegible] للعہ، تقطیع خورد صعہ روصہ، حصہ چہارم تقطیع کلاں سے روپے، تقطیع خورد صعہ و صہ، حصہ پنجم تقطیع کلاں صہ و للعہ،

(منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ)

عدد ۴	ماہ محرم الحرام ۱۳۵۶ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۳۷ء	جلد ۳۹

مضامین

شذرات

مارچ کا آخری ہفتہ ہماری تعلیمی کانفرنس علی گڈہ کی پنجاہ سالہ جوبلی کا تھا، ۲۶ سے لیکر ۲۹ تک دن رات کانفرنس کے کئی کئی شعبون کے اجلاس ہوتے رہے، ان مین سے شعبۂ تعلیم ابتدائی، شعبۂ تعلیم ثانوی، شعبۂ تعلیم اعلیٰ شعبۂ مدارس اسلامیہ، شعبۂ علوم وفنون اسلامی، شعبۂ اردو، شعبۂ اقتصادیات وغیرہ شعبون کے الگ الگ جلسے الگ الگ صدر نشینون کے زیر صدارت مختلف تاریخون مین ہوئے، جہانتک عالمانہ مقالون اور فاضلانہ خطبون کا تعلق ہے کانفرنس کا یہ اجلاس بیحد کامیاب ہوا، اگراہلِ کانفرنس ان مقالون اور خطبون کا ایک مجموعہ جلد از جلد شائع کرسکین تو قوم کے ہاتھون مین وہ آئینہ دیدینگے، جس سے اس کو اپنے چہرہ کا ہر خط وخال نمایان نظر آجائیگا،

———

کانفرنس مین سب سے پہلی اور سب سے اہم تجویز مسلم یونیورسٹی مین ایک صنعتی کالج کے قیام کی تھی، جس کیلئے قوم سے تیس لاکھ کا مطالبہ کیا گیا تھا، مگر مجوز صاحب کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ نہ یہ صنعتی کالج قائم کرنا چاہتے ہین، اور نہ سنجیدہ طور سے انھون نے اس کو پیش کیا ہے، بلکہ مقصود یا تو چندہ تھا، یا قوم کے مطالبہ کی دفع الوقتی، اس لئے یہ تجویز صرف سنادی گئی، اس کے عملی طریقون اور شکلون پر گفتگو نہین ہوئی،

———

مسلمانون مین انگریزی تعلیم کے بدیر رواج پانے اور نئی تعلیم مین پیچھے رہجانے کا حقیقی سبب مدتون تک یہ بتایا جاتا رہا ہے کہ علمائے کرام نے اس کی سخت مخالفت کی تھی، لیکن چند سال کے بعد جب مسلمان صنعتی تعلیم مین

پیچھے رہجائین گے تو معلوم نہین اس کا الزام کس کے سر دھرا جائیگا، کیونکہ معلوم رہے کہ علمائے کرام نے صنعتی تعلیم کے کسی شعبہ کی تعلیم کو ابھی تک حرام نہین قرار دیا ہے، بااین ہمہ سرکاری منصب کے خواہشمندون کی جماعت مین ابھی تک ادھر توجہ نہین کی جارہی ہے،

———

زمانہ روز بروز یہ ثابت کر رہا ہے کہ کسی قوم کی ترقی کا معیار یہ نہین ہے کہ اس مین کتنے جج، کتنے ڈپٹی، کتنے انسپکٹر، اور کتنے وکیل ہین، یہ غلامون کی ذہنیت تھی اور ہے کہ ہم غلام آپس مین اس پر فخر کرتے ہین کہ ہم مین سے کتنون کو بادشاہ کی طرف سے زرین طوق اور زرین کمر اور زرین تمغے ملے ہین، ترقی کا معیار یہ ہے کہ ہم مین کتنے عالم، کتنے محقق، کتنے مجاہد، کتنے کارفرما پیدا ہوئے ہین، ہم مین زندگی کی طاقت کتنی پیدا ہوئی ہے اور ہماری زندگی کے مختلف شعبون مین کتنی چہل پہل اور عملی رونق آئی ہے،

———

کانفرنس نے اس سلسلہ مین ایک اچھا کام یہ کیا ہے کہ مسلمانون کے پچھلے پچاس سال کے تعلیمی کاروبار اور آگے کے پروگرام پر اہلِ فکر اصحاب سے مبسوط ومدلل مضمون لکھوائے ہین، ان مین سے بعض بعض مضمون بہت اچھے ہین، اور اس قابل ہین کہ ان کی روشنی مین ہم آیندہ کا پروگرام طے کرسکین،

———

ہم کو مسلمانون کی زندگی کی ہر روش مین یہ نظر آرہا ہے کہ ان مین اور ان کے رہنماؤن مین زمانہ کے اثرات کا بُعد بڑھتا جاتا ہے، قوم کے نوجوان کہین اور جارہے ہین اور ان کے بوڑھے رہنما کہین اور جانا چاہتے ہین، دونون کے ذوق، میلان اور منزلِ مقصود کے تخیل مین اتنا فرق پیدا ہوگیا ہے کہ دونون کا ہم سفر رہنا سخت مشکل بلکہ محال ہوتا جاتا ہے، یہی سبب ہے کہ نوجوان اپنے اکثر رہنماؤن کے ساتھ عقیدت اور ان کی اطاعت چھوڑ رہے ہین، اور رہنما اپنی قوت وطاقت کھو رہے ہین، اب موقع ہے کہ علمائے روشنضمیر آگے بڑھین،

اور نوجوانون کی رہنمائی کا صحیح فرض انجام دین،

علی گڑھ کانفرنس مین امسال ایک علمی و تعلیمی نمایش بھی تھی، علمی حصہ مین بہت سے شاہی فرامین اردو اور فارسی کی قلمی کتابین، اور خوشنویسون کے ہاتھون کے قطعے، اور مصورون کے ہاتھون کی تصویرین تھین، اردو کی قلمی کتابین ہمارے دوست ڈاکٹر سید حفیظ صاحب (الہ آباد) کی اور فارسی کتابین مولوی ظفر حسن صاحب سپرنٹنڈنٹ محکمۂ آثار قدیمہ آگرہ کی تھین، ان مین سے دو کتابین خاص کر ذکر کے قابل ہین، ایک شہزادہ دارا شکوہ کا فارسی دیوان جس مین شہزادہ کا تخلص قادری تھا، اور دوسرا تزک عالمگیری، معلوم نہین یہ دوسرا نسخہ کیا تھا،

بہت دنون سے جی چاہتا تھا کہ اسلامیہ اسکول **اٹاوہ** کو جس کی تعریفین اکثر کانون سے سنا کرتے تھے، اپنی آنکھون سے دیکھین، علی گڑھ سے واپسی مین ۳۰ر مارچ کو اٹاوہ اترے، اسکول کو دیکھا، اس کے تینون بورڈنگ دیکھے، اس کا کتبخانہ اور تاریخی نمایش خانہ دیکھا، وہان کے استادون سے ملنا ہوا، لڑکون کا رہنا سہنا دیکھا، خوشی ہوئی کہ جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا، مولوی بشیر الدین صاحب جیسے انتھک کام دھنی منیجر، اور مولوی سید الطاف حسین صاحب جیسے نیک، سادہ اور محنتی ہیڈ ماسٹر اگر ہمارے دو چار اسلامی اسکولون کو بھی مل جاتے تو ہماری تعلیمی درماندگی بہت کچھ کم ہو جاتی،

اہل علم کو یہ سنکر خوشی ہوگی کہ دائرۂ معارف نعمانیہ حیدر آباد کی طرف سے مولانا ابو الوفا قندھاری نے قاضی ابو یوسف کی کتاب الآثار تصحیح و تعلیق کے بعد مصر سے چھپوا کر شائع کی ہے، کتاب الخراج کے بعد قاضی صاحب کی یہ دوسری کتاب اہل علم کے حلقہ تک پہنچی ہے،

مقالات

خلیل اللہ کی بشریت

حضرات انبیاے کرام کے اوصاف غالبہ

انبیا کے اوصاف کمالی

"خلیل اللہ" کے لغوی معنی "خدا کے دوست" کے ہیں، اور یہ حضرت ابراہیمؑ کا لقب ہے، لیکن کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے انبیاے کرام اللہ تعالی کے دوست نہ تھے، کیا کوئی پیغمبر ایسا بھی ہو سکتا ہے جو خدا کا دوست نہ ہو، پھر صرف حضرت ابراہیمؑ ہی خلیل اللہ کیون ہون،

اسی طرح حضرت موسی علیہ السلام کا لقب کلیم اللہ مشہور ہے، جس کے معنی ہیں "خدا سے باتیں کرنیوالا" "جس نے خدا سے باتیں کیں" لیکن کیا کوئی پیغمبر ایسا بھی ہے جس سے خدا نے کسی نہ کسی طرح باتیں نہ کی ہون، پھر حضرت موسیؑ ہی کلیم اللہ کیون کہلائیں،

اسی طرح حضرت عیسیؑ کو روح اللہ کہتے ہیں، حالانکہ تمام انبیاء اور نہ صرف انبیاء بلکہ ہر انسان کی روح خدا ہی کی روح ہے، پھر صرف حضرت عیسیؑ کو روح اللہ کیوں کہیے،

اسی طرح اگر کوئی شخص حضرت محمد رسول اللہ صلعم کو بہ تخصیص شاہد و مبشر و نذیر و داعی الی اللہ و سراج منیر کہے تو ایسا کہنا کیونکر درست ہوگا، ورآنحالیکہ ہر نبی شہادت دینے والا نیکوکارون کو بشارت سنانے والا گنہگارون کو تنبیہ کرنے والا، خدا کی طرف پکارنے والا، اور روشنی بخشنے والا چراغ

بن کر آیا؟

عام لوگوں کو یہ شبہ اسلئے پیش آتا ہے، کہ وہ زبان کے ایک نکتہ سے پہلو تہی کرتے ہیں، وہ نکتہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے صرف اسی وصف سے ملقب کیا جاتا ہے، جو وصف اس میں بر تبۂ کمال ہوتا ہے، بات ہر شخص کرتا ہے، اسلئے لغت کے لحاظ سے ہر شخص ابو الکلام ہے مگر استعمال میں ابو الکلام اسی کو کہیں گے جسمیں کلام کی خوبی، برجستگی، یا طول وجہ کمال ہو،

آنکھیں اور ہاتھ کس انسان کے پاس نہیں اسلئے اولی الایدی والابصار (ہاتھوں اور آنکھوں والے) سبھی ہیں، مگر قرآن پاک نے اسکو خاص طور سے انبیائے کرام کا وصف قرار دیا، اور فرمایا،

واذکر عبدنا ابراھیم واسحاق	اور ہمارے بندوں ابراہیم اور
ویعقوب اولی الایدی والابصار	اسحاق اور یعقوب کو یاد کر جو ہاتھوں
(ص ۴)	اور آنکھوں والے تھے،

ہاتھ عمل کے لئے اور بصارت علم کے لئے ہے، اس سے مقصود انسان کی عملی اور علمی قوتوں کا کمال ہے، چونکہ حضرات انبیاءؑ کی عملی اور علمی دونوں قوتیں مرتبۂ کمال پر ہوتی ہیں، اس لئے تمام انسانی طبقوں میں اولی الایدی والابصار (ہاتھوں اور آنکھوں والے) کے لقب کے وہی مستحق قرار پائے،

یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء علیہم السلام کو مختلف اوصاف کاملہ سے یاد فرمایا، حضرت ابراہیمؑ کی نسبت فرمایا،

واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا (نساء)	اور خدا نے ابراہیم کو دوست بنایا،

حضرت موسیٰؑ کی نسبت ارشاد ہوا،

وکلم اللہ موسی تکلیما،	اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے بہت سی
(نساء ۲۳)	باتیں کیں،

حضرت اسماعیلؑ کو فرمایا،

انہ کان صادق الوعد (مریم ۴)	اسماعیل وعدہ کے سچے تھے،

حضرت ایوبؑ کے متعلق ارشاد باری ہے،

انا وجدناہ صابرا، (ص)	ہم نے اسکو صابر پایا،

غور کیجئے کہ انبیاء میں کون نہیں جس سے خدا نے دوستی نہیں کی، یا خدا نے اس سے باتیں کیں یا وہ وعدہ کا سچا نہ تھا، یا حق کی راہ میں وہ صابر نہ ٹھہرا، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے دوستی کے وصف سے صرف حضرت ابراہیمؑ کو، ہم کلامی کے وصف سے صرف حضرت موسیٰؑ کو صدق وعدہ کے وصف سے صرف حضرت اسماعیلؑ کو، اور صبر کے وصف سے صرف حضرت ایوبؑ کو ممتاز فرمایا، حالانکہ خود قرآن کہتا ہے کہ

واصبر کما صبر اولوا العزم	(اے رسول آپ بھی ویسے ہی صبر کیجئے جیسے
من الرسل (احقاف ۵)	ہمت والے رسولوں نے کیا ہے،

مگر اس عموم کے باوجود تمام انبیاء میں سے مخصوص طور پر صرف حضرت ایوبؑ ہی کو صابر کہکر یاد فرمایا گیا، جس کے یہ معنی نہیں کہ نعوذ باللہ دوسرے انبیاء اس صبر کے وصف سے معرا تھے، بات یہ ہے کہ گو ہر شخص کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر قسم کی استعدادیں ملتی ہیں، مگر ان میں سے ایک ہی دو استعدادوں کا کمال نصیب ہوتا ہے، بالقوی استعدادوں کی فعلیت زمانہ کے اقتضا، حالات کی مناسبت، وقت کی ضرورت اور پیش آمدہ واقعات کے مطالبہ کی بنا پر ہوتی ہے، جہاد کا حکم ہر پیغمبر کو ہوا، مگر ہر ایک کی زندگی میں اس کے مناسب حالات پیش نہیں آئے، اسلئے حضرت موسیٰ اور حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی پاک زندگیوں میں جہاد کے جو مناظر پیش آئے، وہ دوسرے پیغمبروں کے سامنے پیش نہیں آئے،

غرض کسی شخص میں کسی وصف کا موجود ہونا اور بات ہے، اور اس وصف کے عملی ظہور کے مواقع پیش آنا، اور ان کے مطابق اس وصف کا برتبۂ کمال ظاہر ہونا اور بات ہے، انبیا کا کسی وصف خاص سے ملقب اور ممتاز ہونا پہلے اوصاف کی بنا پر نہیں، بلکہ دوسرے اوصاف کی بنا پر ہوتا ہے، اسی لئے حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ، حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ، حضرت عیسیٰؑ روح اللہ، حضرت اسمٰعیلؑ صادق الوعد، اور حضرت ایوبؑ صابر ٹھہرے، کیونکہ حضرت ابراہیمؑ سے اللہ تعالیٰ نے نسلاً بعد نسلٍ دوستی کا جو وعدہ فرمایا، اور جس کی علامت کے طور پر ان کی اولاد در اولاد کو نبوت و برکت سے سرفراز فرمایا، یہ دوستی کا کمال کسی اور نبی کو عنایت نہیں ہوا، حضرت موسیٰؑ کو کوہ طور پر جس طرح ہم کلامی کا شرف بخشا گیا، وہ کسی اور نبی کے حصہ میں نہیں آیا، حضرت عیسیٰؑ کو روح الٰہی کا فیضان جس کمال کے ساتھ ملا، وہ کسی اور نبی کو نہیں دیا گیا، چنانچہ فرمایا،

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ، (بقرہ-۳۳)

پیغمبران میں سے بعض کو بعض پر ہم نے برتری دی، ان میں سے کوئی تو ایسے ہیں جن سے خود اللہ نے کلام کیا، اور بعض کے درجے بلند کئے، اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلی نشانیاں دیں، اور روح القدس سے ان کی تائید کی،

اس پاک آیت میں تین پیغمبروں کا وصف امتیاز بیان کیا گیا، پہلے حضرت موسیٰؑ کا کہ ان کو کلیمیت ملی، اور سب سے آخر میں حضرت عیسیٰؑ کا کہ ان کو معجزات اور روح القدس کی تائید بخشی گئی، اور دونوں کے بیچ میں ایک پیغمبر کا ذکر ہے، جس کو درجوں اور مرتبوں کی بلندی ملی، یہ بیچ کے پیغمبر ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی شریعت وسط اور صراط مستقیم اور موسویت اور عیسویت کے بیچ

میں معتدل ہے، اسلئے آپ کا ذکر بھی ان دونوں کے بیچ میں ہے،

ہمارے رسول اللہ صلعم کو درجوں اور مرتبوں کی جو بلندی ملی، اسکی تفصیل اور تشریح گو یہاں کم ہے اور قرآن پاک میں جابجا اسکی تشریح ہے، منجملہ اس کے ایک یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو کلیمیت اور حضرت عیسیٰؑ کو تائید بروح القدس کی جو فضیلت عطا ہوئی، وہ شخصی فضیلتیں ہیں، اور ہمارے رسول کو جن درجوں اور مرتبوں کی فضیلت عطا ہوئی، وہ شخصی کے علاوہ دینی و عمومی ہیں، آپ کو جو بالذات فضیلت بھی عطا کی گئی، مثلاً خاتمیت، وہ بھی آپ کی کتاب، آپ کی شریعت، اور آپ کی امت کو شامل ہے، آپ کے دین کو عموم بخشا گیا، آپ کو نبی الامم اور نبی الانبیاء دونوں بنایا گیا، آپ کے دین پر دین الٰہی کے ہر گوشہ کی تکمیل کی گئی، آپ کی کتاب کو خاتم الکتب اور ناسخ الکتب بنایا گیا، اور قیامت تک کیلئے اسکی حفاظت کا وعدہ کیا گیا، اور آپ کی امت کو آخر الامم کا لقب ملا، ع

ہر چند وصفت می کنم لیکن ازاں بالاتری

بایں ہمہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں، کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کو خدا نے ہم کلامی کا شرف نہیں بخشا، یا روح القدس کی تائید عطا نہیں ہوئی، یہ دونوں باتیں آپ کو بھی ملیں، لیکن یہ باتیں آپ کا وصف امتیازی نہیں بنائی گئیں، بلکہ اور دوسری دوسری باتوں کو آپکا وصف امتیازی ٹھہرایا گیا، مثلاً فرمایا:-

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا، (فتح-۱)

ہم نے تجھکو گواہ اور خوشخبری سنانیوالا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا،

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا، (احزاب-۶)

اے پیغمبر ہم نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانیوالا، اور خدا کی طرف پکارنے والا اور روشن کرنیوالا چراغ بنا کر بھیجا،

یہ آپ کے منجملہ دیگر امتیازی صفات کے چند امتیازی صفات ہیں، جن کا یہ منشا نہیں کہ ان صفات سے دیگر انبیاء علیہم السلام خالی تھے، بلکہ یہ ہے کہ ان اوصاف کمالیہ کا یہ اجتماع ان کی ذات میں اس درجۂ کمال میں نہ تھا، جو محمد رسول صلعم کی ذات پاک میں تھا، چنانچہ پورے قرآن میں کسی نامی پیغمبر کے یہ اوصاف بتخصیص نام لیکر سوائے حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے نہیں قرار دئے گئے کیونکہ مقام مدح میں وہی اوصاف بیان کئے جاتے ہیں، جو کسی موصوف کے اوصاف امتیازی اور کمالی ہوتے ہیں، جنکو اوصاف غالبہ کہتے ہیں،

اسی نکتہ کو مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالے تحذیر الناس میں یوں بیان فرماتے ہیں

"مگر کوئی ملقب ہوتا ہے تو اپنے اوصاف غالبہ کے ساتھ ملقب ہوتا ہے، مرزا جان جاناں صاحبؒ اور شاہ غلام علی صاحبؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور شاہ عبد العزیز صاحبؒ چاروں صاحب جامع بین العلم والفقر تھے، پر مرزا صاحب اور شاہ غلام علی صاحبؒ تو فقیری میں مشہور ہوئے اور شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبد العزیز صاحب علم میں، وجہ اس کی یہی ہے کہ ان کے علم پر ان کی فقیری غالب تھی، اور ان کی فقیری پر ان کا علم، اگرچہ ان کے علم سے اُن کا علم، یا اون کی فقیری سے ان کی فقیری کم نہ ہو، سو انبیاء میں علم عمل سے غالب ہوتا ہے، اگرچہ ان کا عمل اور ہمت اور قوت، اوروں کے عمل اور ہمت اور قوت سے غالب ہو، بہرحال علم میں انبیاء اوروں سے ممتاز ہوئے ہیں، (ص ۵۰)

آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

"نبوت کمالات علمی میں سے ہے، اور آپ جامع العلوم ہیں، اور انبیاء باقی جامع نہیں، (ص ۵۰)

غرض یہ ہے کہ مقام مدح میں خاص خاص انبیاء علیہم السلام کے وہی اوصاف گنائے

جاتے ہیں، جن میں ان کو دوسروں پر امتیاز اور فضیلت حاصل ہو، اس بنا پر آنحضرت صلعم کی مدح میں جو شاہد و مبشر و نذیر و داعی الی اللہ و سراج منیر کے الفاظ باطلاق آئے ہیں، ان کا یہی مقصد ہے، کہ آپ میں یہ اوصاف مجتمعہ ایسے مرتبۂ کمال پر تھے، جو کسی اور نبی میں نہ تھے،

اوصاف کمالی کے علم کے طریقے، انبیاء علیہم السلام کے یہ امتیازی اوصاف دو طریقوں سے معلوم ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ بہ نص صریح ان کا اظہار ہو، جیسے حضرت موسیٰؑ کیلئے کلیمیت، حضرت عیسیٰؑ کے لئے تائید بروح القدس یا حضرت اسمٰعیلؑ کیلئے صدق وعد، اور حضرت ایوبؑ کے لئے صبر، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ لفظوں میں اس وصف کی تصریح نہ ہو، مگر ان کی زندگی کے عملی کارناموں میں وہ وصف علانیہ نظر آتا ہو، جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت نوح علیہما السلام میں نذیریت کا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام میں مبشریت کا کمال،

نذیریت کے کمال کے یہ معنی ہیں، کہ ان میں خدا کی قہاری و جباری اوصاف کا ظہور زیادہ ہو، اور کمال بشریت کے یہ معنی ہیں، کہ خدا کے فضل و کرم اور رحمت عام کا رنگ زیادہ نمایاں ہو، جیسا کہ خدا نے آنحضرت صلعم کو مبشر وغیرہ کہکر فرمایا، تو وہیں اسکی تصریح فرمائی،

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ۔ (احزاب - ۶)

اور ایمان والوں کو خوشخبری سنادیجئے کہ ان کے لئے خدا کی طرف سے بڑی مہربانی (فضل) ہے،

کمال نذیریت میں اللہ تعالیٰ کے قہر و عذاب کا پہلو اس کے فضل و کرم سے زیادہ نمایاں ہوتا ہے، جیسے نوح علیہ السلام اپنی ہزار سالہ تبلیغ کی ناکامی سے جب مایوس ہوئے، تو ان کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ خدا کی بارگاہ میں کفار کی پوری نسل کی بربادی و ہلاکت کی دعا مانگی، عرض کی:۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ

اے میرے پروردگار تو زمین پر کافروں

دِیَارًا، اِنَّکَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا، رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا،

(نوح-۲)

میں سے کوئی گھر بسانے والا مت چھوڑ، بیشک اگر تو اُن کو چھوڑے گا، تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے، اور ان کی اولاد جو ہوگی، وہ بھی بدکار اور سخت کافر، اے میرے رب مجھے اور میرے والدین کو، اور جو میرے گھر میں باایمان آئے، اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بخش دے، اور ظالموں

اس آیت میں نذیریت اور بشیریت دونوں کے جلوے ہیں، مگر غور کیجئے کہ نذیریت کا جزو بشیریت سے کتنا زیادہ ہے، اہلِ ایمان کے لئے صرف مغفرت کی دعا کے ساتھ ساتھ پورے روئے زمین کے کافروں اور ان کی پوری نسل کی ہلاکت کی دعا ہے، اور پھر انہی کی کامل تباہی و بربادی کی خواہش پر دعا کا خاتمہ ہے، اور آخر ساری قوم تباہ و برباد ہوگئی،

حضرت موسیٰ اہلِ فرعون کے حق میں یہ دعا مانگ کر اپنی نذیریت کی شان کا کمال ظاہر فرماتے ہیں، :-

رَبَّنَآ اِنَّکَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَہٗ زِیْنَةً وَّاَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِکَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِھِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا

ہمارے پروردگار تونے فرعون اور اس کے درباریوں کو شان و شوکت اور دولت دنیا میں دی ہے، اے ہمارے پروردگار تاکہ تیرے راستہ سے بھٹکا دیں اے ہمارے پروردگار انکی دولت کو مٹادے اور انکے دلوں کو

حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ،

(یونس-۱۰)

سخت کردے تو وہ ایمان نہ لائیں، یہانتک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں،

اس کے بالمقابل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفتِ تبشیر کا کمال ملاحظہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اُن سے اُن لوگوں کی نسبت جب دریافت کرے گا، جو ان کے بعد شرک میں مبتلا ہوئے، تو موقع پاکر عرض کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی شان رحمت سے اپیل کرتے ہیں،

مَا قُلْتُ لَھُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ وَکُنْتُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْھِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ، اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَھُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

(مائدہ-۱۶)

میں نے اُن سے وہی کہا جو تونے حکم دیا کہ میرے اور اپنے رب کو پوجو اور جب تک میں ان کے درمیان تھا اون کو دیکھتا بھالتا تھا، اور جب تونے مجھے وفات دی، تو ہی ان کا نگہبان تھا، اور تو ہر چیز کی خبر رکھتا ہے، اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں، اگر تو اُن کو معاف کردے تو تو قدرت اور حکمت والا ہے،

اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی کی یہ تحریک اُن کے حق میں ہے، جن کی نسبت حضرت عیسیٰ خود ہی نذیری فرما چکے ہیں،

اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ

(مائدہ-۱۰)

بیشک جو کسی کو خدا کا شریک بنائیگا، تو اللہ نے جنت اُس پر حرام کردی ہے، اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے،

مگر بااین ہمہ اُن کی بخشش کے لئے بھی رحمتِ الٰہی کی سلسلہ جنبانی فرماتے ہیں، ظہورِ محمدی کی بشارت کا پیغام لے کر بھی وہ آئے، اور کہا،

مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اِسْمُهٗٓ اَحْمَدُ

اس رسول کی بشارت لیکر آیا ہوں جو جو میرے بعد آئے گا، اور جسکا نام احمد ہے،

حضرت ابراہیم کی بشریت

اس سے زیادہ جمال بشارت حضرت ابراہیمؑ کے روے اقدس میں ہے، وہ مجسم خیر و برکت لے کر آئے، نبیوں اور رسولوں کے مورث قرار پائے، اسماعیل و اسحاق کے خاندانوں کی برکتیں اُنہی کے ذریعہ اتریں اور آدم کے سارے گھرانوں کو ان کے ذریعہ ہدایت کی روشنی ملی، اور رحمۃ للعالمین علیہ السلام کے ظہور کی دعا انھوں نے کی،

دعاے خلیل و نوید مسیحا

اور دونوں مُبشّر!

(باقی)

الجہاد فی الاسلام

اس کتاب میں اسلامی جہاد کی حقیقت بتائی گئی ہے، اسلام کے قوانین صلح و جنگ کی تفصیل کرکے دوسرے مذاہب کے قوانین جنگ سے ان کا مقابلہ کیا گیا ہے، اور موجودہ یوروپین قوانین جنگ پر تبصرہ کرکے ان پر اسلامی قانون کا تفوق ثابت کیا گیا ہے، اور مخالفین کے تمام شکوک و شبہات زائل کئے گئے ہیں،

ضخامت:- ۶۰۴ صفحے، لکھائی چھپائی، کاغذ نہایت عمدہ، قیمت:- ہے

"منیجر"

رامچندر جی کی کہانی

از

جناب سبطین احمد صاحب بی، اے، بدایوں،

(۳)

افسانے کے افراد و مقامات

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مسٹر ونکیٹا رتنام کی تصنیف کا مطالعہ کرنے سے پہلے یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ہندی تمدن اور ہندو روایات خالص آریہ قوم کی تخلیق نہ تھیں، بلکہ اس کے برعکس ایسی شہادتیں موجود ہیں جو ظاہر کرتی ہیں، کہ ہندو تہذیب کے بہت سے آئین اور ہندو ادبیات کی بعض روایتیں دوسری قوموں اور دوسرے ممالک کا عطیہ ہیں، اس صورت میں رامائن کے افسانہ کو بدیسی چیز سمجھنا قرآن کے خلاف نہیں کہا جا سکتا،

مسٹر ونکیٹا رتنام کے تخریبی استدلال کا ملخص جو اس مضمون کی دوسری اشاعت میں پیش کیا گیا تھا یہ امر واضح کر چکا ہے کہ رامائن مختلف اور متضاد بیانات سے بھری ہوئی ہے، اور اکثر واقعات باہم مربوط نہیں کئے جا سکتے، لہذا یہ قرینہ پیدا ہوتا ہے کہ بہت سے واسطوں سے گذر کر وہ ہندوستان پہنچی، دوسرے ہندوستان کے قدیم آثار میں کوئی شہادت اس کے بیان کی تصدیق کرنے والی نہیں ملتی جس کی بنا پر اسکو کسی ہندوستانی راجہ سے متعلق کہا جا سکے، تیسرے رامائن کی قدامت مشتبہ ہے لہذا اس کا سنہ تصنیف مصر کے رامینز ثانی سے قبل نہیں سمجھا جا سکتا، ان بحثوں کے بعد وہ موانعات جو

وینکاٹرنام کا نظریہ قبول کرنے سے روک سکتے تھے، ہٹ جاتے ہیں، اب تعمیری استدلال کا جائزہ لینا باقی رہ جاتا ہے، جو زیادہ تر لغوی اور لسانی تحقیق پر مبنی ہے،

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ تاریخ کا آخری ذریعۂ اطلاع الفاظ ہی ہوتے ہیں، تحریری اور تعمیری آثار، کتبے اور عمارتیں ایک خاص حد تک پہنچنے کے بعد مورخ کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، اس وقت وہ لغات سے مدد لیتا ہے، اور ان کی زبان سے بھولا ہوا افسانہ سنتا ہے، لیکن مسٹر وینکاٹرنام کی تحقیق کے نمونے پیش کرنے سے پہلے رامیسز ثانی سے تعارف ضروری ہے،

مصر کے تمدن کی تاریخ مسیح علیہ السلام سے چار یا پانچ ہزار سال پہلے شروع ہوتی ہے، یہ مسئلہ نزاعی ہے، کہ قدیم مصری قوم وہیں کی رہنے والی تھی، یا کسی دوسرے ملک سے جاکر آباد ہوئی تھی، چار یا پانچ ہزار قبل مسیح سے لیکر سکندر کی فتوحات تک، مصر میں تقریباً تیس شاہی خاندان حکمران رہے، ان میں بعض ایک دوسرے کے ہمعصر اور ایک ہی وقت میں ملک کے مختلف حصوں پر قابض تھے، شمالی مصر کے سلاطین کا پایۂ تخت اکثر شہر منفس رہا، جنوبی حکومتوں کا صدر مقام شہر طب تھا، ان تمام خاندانوں میں اٹھارہویں اور انیسویں سلسلے زیادہ مشہور تھے، رامیسز ثانی کا تعلق اٹھارہویں سلسلے سے ہے، اور اور اس کا دور حکومت تیرہویں صدی قبل مسیح تھا، مگر یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ فراعنۂ مصر کے سن بہت مشتبہ ہیں، اور بعض قیاسات میں صدیوں کا تفاوت ہے،

رامیسز کا خاندان نوعروج خاندان تھا، جس کے اقتدار کی شروعات اسکے دادا رامیسز اول سے ہوئی، رامیسز اول کا جانشین اس کا بیٹا سیتی ہوا، جس کے بعد رامیسز ثانی تخت پر بیٹھا، رامیسز کی فتوحات کا حال مسٹر سپرو کی اس عبارت سے ظاہر ہے،

پھر اس کی توجہ ڈیلٹا کی طرف مبذول ہوئی، شام میں فراعنہ کے مقبوضات کی اہمیت بڑھتی جاتی ہے، اور شام کے قریب حطیوں کی ایک زبردست سلطنت عروج پا رہی تھی، چنانچہ سترہویں[۱۷]

خاندان کے آخری فرعون مجبوراً منفس شہر میں زیادہ قیام رکھتے تھے (جہاں سے شامی علاقوں کی نگہبانی زیادہ آسان تھی) رامیسز ثانی کو محسوس ہوا کہ خاکنائے سویز کے قریب کسی مضبوط مقام پر قبضہ رکھنا نہایت ضروری ہے تاکہ وہاں حفاظت کے ساتھ قیام کیا جا سکے، چنانچہ زالو کے قریب ایک سرسبز اور صحت بخش مقام پر اوس نے قلعہ بنایا، جس کا نام اپنے نام پر رکھا، اور جس کا حال اس زمانہ کے شاعر ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں، یہ قلعہ ایک سرحدی چوکی کا کام دیتا تھا، جہاں سے بادشاہ دشمنوں پر نگاہ رکھ سکتا تھا......"

"رامیسز ثانی کے دوسرے اور چوتھے سال جلوس میں دو مرتبہ خاکنائے عبور کرکے لڑائی کی گئی، ان دونوں مہمات کے مقصد بغیر خون بہائے پورے ہوگئے، چوتھا سال جلوس ختم ہوا تھا، کہ خاطی قوم نے بغاوت شروع کی جس کی وجہ سے دونوں ریاستوں میں ان بن ہوگئی، اور ایک باقاعدہ جنگ وجدال کی نوبت پہونچ گئی، ختیاسرو نے اپنے بھائی مزاسرو کو قتل کرکے حکومت پر قبضہ کر لیا تھا اور غیر سپاہیوں کو جمع کر رہا تھا، رامیسز نے حملہ سے پہلے ہی دفع دخل مقدر کی ٹھان لی، اوس نے لشکر فراہم کیا جس میں مصریوں کے علاوہ لی بیا اور ایتھوپیا کے لوگ بھی شامل تھے، اس سپاہ نے دریا کو زالو کے قریب عبور کیا، اور کنعان کے ملک سے تیزی کیساتھ گزر کر لطانی کی وادی میں اور بعد ازان دریائے اورنتش کی وادی میں پہنچ گئی، ختاسرو، لبنان کے جنگلوں میں چھپا ہوا پڑا تھا اس کے جاسوس صحیح اطلاعیں پہنچا رہے تھے، رامیسز حرکت کرکے پہونچا جہاں دو بدویوں سے اطلاعات حاصل کرنے کی کوشش کی...... رامیسز نے خاندانی لشکر لیکر حملہ کیا، دشمن کی حربی گاڑیاں اسکو گھیر گھیر لیتی تھیں، آٹھ مرتبہ اوس نے دھاوا کیا، اور دشمن کی صفیں درہم برہم کر دیں، ایک مرتبہ وہ بالکل تنہا رہ گیا، مگر اپنی بہادری اور اوسان ٹھکانے رہنے کے سبب سے بچ گیا، ختاسرو پسپا ہوا، کیونکہ مقابلہ بے سود تھا،...... رامیسز نے ارادہ کر لیا کہ اس مہم کے واقعات مثلاً جاسوسوں کی مارپیٹ، شامیوں کا فرار ہونا، اور قادیش شہر کا حوالہ کیا جانا، ابوسمبل، لکسر اور رامسیم

وغیرہ مقامات پر مندروں کی دیواروں پر منقوش کر دیئے جائیں، پنٹر کی نظم بھی انہی واقعات کو بیان کرتی ہے،

قادیش کی نسبت پروفیسر پیڑی لکھتا ہے کہ

"قادیش کے متعلق پہلا سوال تو یہ ہے کہ وہ کہاں واقع تھا، بعض نے اس کا محل وقوع تل بنی مندو پر بتایا ہے، اور بعض نے اس بنا پر کہ قادیش تصویر میں پانی سے گھرا ہوا دکھایا گیا ہے، اس جزیرہ کو قرار دیا ہے، جو جھیل کے اندر واقع ہے"

یہی وہ مہم جو مسٹر ونیکٹا رتنام کے بقول رامائن کی بنیاد اولین ہے، جہاں تک حربی نقل و حرکت کا تعلق ہے، رامیسز کی مہم رامچندر جی کے سفر سے پوری مطابقت رکھتی ہے، جس طرح رام اپنے دار السلطنت سے روانہ ہو کر گنگا عبور کرتے ہیں، پھر ڈنڈک آرن یام نامی جنگل میں داخل ہوتے ہیں، یہاں تک کہ ہندوستان کی سرحد پر لنکا کا محاصرہ کیا جاتا ہے، اور راون قتل ہوتا ہے، اسی طرح رامیسز شہر منفس سے روانہ ہو کر دریائے نیل کو عبور کرتا ہے، اور تنتنا کے بیابان میں داخل ہوتا ہے، اور سرحد پر پہنچکر قادیش کا محاصرہ کرتا ہے، جو دریا سے گھرے ہوئے ایک جزیرہ پر واقع ہے، یہاں تک کہ خِتا سر قتل ہو جاتا ہے،

اس شامی جنگ کے علاوہ رامیسز نے مصر کے جنوب میں ایتھوپیا یا نیوبیا پر بھی حملہ کیا تھا، ابو سمبل وغیرہ میں مندروں کی دیواروں پر دکھایا گیا ہے، کہ نیوبیا کے مفتوح سردار اس کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں، اور ان میں جنوب کے رہنے والے حبشی بھی ہیں، مال غنیمت اسکے سامنے پیش کیا جا رہا ہے، جس میں اور جانوروں کے علاوہ بندر بھی شامل ہیں، مسٹر ونیکٹا رتنام کے بقول صدیوں بعد رامیسز کی نسبت جو افسانے مشہور ہوئے، ان میں یہ دونوں لڑائیاں ایک داستان میں گوندھ دی گئیں، اور چونکہ ہر افسانہ بغیر حسن و عشق کے دخل کے بے نمک معلوم ہوتا ہے، کسی شاعر نے جنگ کا سبب بصنعت حسن التعلیل رامیسز کی ملکہ کی چوری کو قرار دیدیا، اور یہ خیال غالبًا یونانیوں کی اس روایت سے اڑا لیا گیا، جس کو ہومر کی ایلیڈ میں حیاتِ دوام نصیب ہو چکی ہے،

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، کتاب کا اصل استدلال مصری اور ہندی ناموں کی تطبیق ہے، اور یہی مصنف کی ان تھک محنت کا کارنامہ ہے، ان تمام ناموں کو پیش کرنا تو اس مضمون کے حدود سے باہر ہے، چند مقامات اور افراد کا تطابق بہ طور نمونہ حاضر کیا جاتا ہے،

ابتدا رام ہی سے کرنا چاہئے، مصنف کے بقول ہندی رام مصری رامیسز کی دوسری شکل ہے، رام کو ہندوستانی کہنے سے سب سے پہلے تو یہ بات مانع ہے، کہ ہندوستان میں کوئی تاریخی شہادت یا کوئی یادگار ایسی باقی نہیں، جسکو یقین کے ساتھ رام کے ساتھ علاقہ ہو، برخلاف اس کے رامیسز کے مجسمے اور پنٹر شاعر کی نظم جس کے نسخے پیپرس کے پتوں پر لکھے ہوئے آج بھی موجود ہیں، رامیسز کے وجود پر ناقابل انکار شہادتیں ہیں، پھر ہندوستانی رامائن میں رام کا جو حلیہ بیان کیا گیا ہے، وہ رامیسز کے مجسموں پر پورا اترتا ہے،

اس نظریہ کی تائید اس امر سے ہوتی ہے، کہ رام کا لفظ ہندی نہیں، بلکہ سامی الاصل ہے چنانچہ اسیریا کے شاہی خاندان میں ایک بادشاہ اس نام کا مذکور ہے، رام کی اصل غالبًا شہر طب کے مصری دیوتا کا نام ہے، جو ہیروغلفی رسم الخط میں "امن رع" پڑھا گیا ہے، چونکہ ہیروغلفی الفاظ بائیں جانب سے دائیں طرف کو اور دائیں طرف سے بائیں جانب کو دونوں طرح پڑھے جا سکتے ہیں، اس لئے "آمن رع" کو "رع آمن" بھی پڑھ سکتے ہیں، جس کا ہندی تلفظ، رامان یا راما ہوگا، ہندوستانی دیوتا سندر "رامن" یا "سندر من" بھی جس کے نام پر اب تک لوگ بچوں کو یہ نام دیتے ہیں، اصل میں مصر کے اسی دیوتا کو سمجھنا چاہئے، جس کو "آمن رع سندر" یا بہ تغیر ترتیب "رع آمن سندر" کہتے تھے طب کا ایک کتبہ ٹیورن میں موجود ہے جسکے لکھنے والے اسی "رع آمن دیوتا" کے پجاری ہیں،

ہندوستان میں رام کی پیدائش ایک پر اسرار صورت سے واقع ہونا بیان کی جاتی ہے، جو اس تاریخی تحقیق کی طرف اشارہ کرتی ہے، کہ رامیسز کا خاندان ایک نو عروج خاندان تھا چنانچہ مصریات کا ماہر پروفیسر پیڑی لکھتا ہے، :-

"اُس خاندان کی ابتدا نامعلوم سی ہے، پہلے رامیسز نام کا ایک وزیر آمن ہوتیپ کے عہد میں گذرا ہے، رامیسز اول اور اس کا بیٹا سیتی غالباً شاہی خاندان سے رشتہ رکھتے تھے"،

بال کھنڈ میں سیتا اور رام کی شادی کے وقت رام کا جو نسب نامہ دیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ ... سے برہما جی پیدا ہوئے، برہما کے لڑکے اِکش وشو تھے، اور اکش وشو کا بیٹا دسرتھ یعنی رام کا باپ تھا، اس نسب نامہ سے بھی رام کے غیر ہندوستانی اور سامی ہونے کا پتہ چلتا ہے، کیونکہ مصنف کے بقول یہ امر قریب قریب متحقق ہو چکا ہے کہ برہما جی حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا دوسرا نام ہے، اور اکش وشو اسحاق کی دوسری شکل ہے[1]،

دراوری زبانوں میں رام کا لفظ اپنی زیادہ صحیح صورت میں موجود ہے، مثلاً تامل اور ملیالم زبانوں میں رام کو "ارامن" بولتے ہیں، جو "رع آمن" کی بجنسہٖ نقل ہے، مصری "رع آمن" کا نون سنسکرت نے جو آخری حروف کو غیر ساکن رکھنے کی عادی ہے، حذف کر دیا، اور میم کی حرکت قائم رکھی، چنانچہ رام بنا، اس لغوی بحث سے کافی قرائن یہ باور کرنے کے لئے پیدا ہو جاتے ہیں، کہ رام کسی سامی النسل فرمانروا کا نام تھا، اور اس لفظ کی اصل بھی سامی زبان کا کوئی لفظ ہے، رامیسز میں اگرچہ ایک ٹکڑا زیادہ ہے، لیکن رام اور رامیسز کو ایک شخص سے منسوب سمجھنے میں تامل نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ رامیسز وہ شخص ہے، جس کو بہت سے مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا رہا، مس ایڈورڈس کہتی ہے،

مصری تاریخ میں رامیسز ثانی ہمیشہ سے ایک مرکزی شخصیت رہا ہے، اور رہے گا، اس کو یہ ممتاز درجہ کچھ تو استحقاقی اور کچھ اتفاقی حاصل ہو گیا ہے، ......اُس کی تقدیر میں تھا کہ مرنے کے بعد دوسروں

[1] برہما کا ماخذ ہے، برہم مہتی، جس کے معنی ہیں، وہ جو آدمیوں کی تعداد بڑھاتا ہے، اور کتاب پیدائش میں حضرت ابراہیم سے کہا گیا ہے، کہ اب تیرا نام ابرم نہیں، بلکہ ابراہام ہوگا، کیونکہ میں نے تجھ کو بہت سی قوموں کا باپ بنایا ہے، (دنیکا ارتنام)

کی شہرت غصب کرے یہی نہیں، بلکہ صحیح نام فراموش ہو جاتا، اور مختلف عرفی ناموں سے یاد کیا جاتا بھی مقدر تھا،

یہی وہ رامیسز ہے جس کی عظمت اور شوکت نے اُس کی ذات کو ایک افسانہ کا ہیرو بنا دیا، یہ افسانہ ہندوستان پہنچا، اور بہت سی تحریف و تصریف کے بعد کسی ہندی شاعر نے اسکو نظم کر دیا،

رامائن کا دوسرا زبردست کردار سیتا جی ہیں، رامائن کا بیان ہے، کہ یہ نام اسلئے پسند کیا گیا تھا، کہ جنک نے ہل چلاتے وقت ان کو پایا تھا، بہ الفاظ دیگر وہ کسی عورت کے بطن سے پیدا نہ ہوئی تھیں، بلکہ دھرتی ماتا کی اولاد تھیں، لیکن سیتا ایک بہت ہی قدیم مصری نام ہے، جو دوسرے مصری ناموں کے ساتھ اکثر لگا ہوا ملتا ہے، مثلاً سیتھ ہوتر زمین اور گائے کی دیوی کو کہتے تھے، "سیت آمن" اٹھارہویں خاندان میں جس سے رامیسز کا تعلق تھا، بعض شہزادیوں کا نام ہے، سیتیا تما ایک مطانی بادشاہ کا بھی نام تھا، چنانچہ یہ ایک قدیم لفظ ہے، جس کے معنی زمین یا زمین کی دیوی کے ہیں، آج بھی یہ نام مصر میں رائج ہے، اور شاید ہندوستان سے زیادہ وہاں اب بھی دولتمند خواتین کے نام کے ساتھ عزت اور ادب کے لحاظ سے اسکو لگا دیا جاتا ہے، قاہرہ میں آج بھی ایک مسجد "سیتا زینب" کی مسجد کہلاتی ہے،

طل الامرنا کے محفوظ خطوط سے معلوم ہوتا ہے، کہ مطانی بادشاہ دسرتھ کی بہن مصر کے فرعون آمن ہوتپ ثالث کو بیاہی گئی تھی، اور اس سے ایک لڑکی سیت آموں تھی، جو دسرتھ کی بھانجی اور مصر کے موحد فرعون آمن ہوتپ چہارم کی بہن تھی،

طب کے پجاریوں نے آمن ہوتپ کو کافر ٹھہرایا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ یادگاروں میں جہاں کہیں اس کا نام تھا مٹا دیا گیا، اس کے بعد مصر کے سلاطین میں دوسرا مشہور فرمانروا رامیسز ثانی ہوا، رامیسز ثانی کے باپ سیتی اول نے آمن ہوتپ چہارم کی پوتی سے شادی کی، اور یوں یہ نیا خاندان قدیم سلطانی خانوادہ سے منسلک ہو گیا، مرور زمانہ سے دسرتھ، سیتا اور رامیسز کے باہمی رشتے تو فراموش

[1] املا مشتبہ ہے،

ہوگئے، لیکن ان ناموں کے گرد بہت سے روایات اور افسانے پیدا ہوگئے، چنانچہ بودھی روایت میں ستیاجی کو رام کی بہن بتایا گیا ہے، جو اس قیاس کی تائید کرتا ہے، کہ رامائن کا افسانہ کسی دور دراز ملک اور بہت گذرے ہوے زمانہ کے چند واقعات کی بگڑی ہوئی صورت ہو، ممکن ہے کہ رامیسز کی بی بی کا نام بھی ستیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے، کہ وہ اسکی بہن بھی ہو، کیونکہ فراعنہ مصر بہنوں سے شادیاں کر لیتے تھے، دوسرا قیاس جو مسٹر دنیکیار تنام کے نزدیک زیادہ قرین عقل ہے یہ ہے کہ ستیا سے مراد کوئی حصۂ ملک ہوگا، جو شامی سردار نے غصب کر لیا ہوگا، کیونکہ ستیا کے اصل معنی زمین ہیں،

رام کا حریف مقابل راون ہے، جو رامائن کے تمام افراد میں سب سے زیادہ عجیب وغریب ہے، کیونکہ وہ ایک برہمن اور ویدوں کا مفسر بھی بتایا جاتا ہے، راون کا ماخذ سنسکرت کا لفظ "راو" بتایا جاتا ہے جس کے معنی ہیں چلانا یا پکارنا، اسکی توجیہ کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ راون اور شیو میں جنگ ہوئی، راون نے اس پہاڑ کو جس پر شیوجی بیٹھے ہوئے تھے، اکھاڑ کر آسمان کی طرف پھینک دیا، شیوجی نے غصہ میں پاؤں کے انگوٹھے سے پہاڑ کو دبایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہاڑ پھر زمین پر آگرا، اور راون کا ہاتھ اسکے نیچے دب گیا، اور وہ چلانے لگا، آخر شیوجی نے ترس کھا کر راون کا ہاتھ نکال دیا، اسوقت سے راون شیو کا معتقد ہوگیا، اور جب ہی سے راون کہلایا، "دس کنتھ" اور "دس گریو" اس کا لقب ہے، کیونکہ رامائن کے مطابق وہ دس سروالا انسان تھا، جب رامچندر جی سے جنگ ہو رہی تھی، تو ایک سر کٹنے کے بعد اس کی جگہ نیا سر پیدا ہو جاتا تھا، یہانتک کہ رام کی تلوار نے ایک سو ایک[101] سر کاٹ ڈالے، رامائن نے راون کو پولستیا کی اولاد بتایا ہے، اور "سرپا دیو" اور "راکشش" کے لقب سے یاد کیا ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ ایک جابر اور ظالم فرمانروا تھا، اب پولستیا لفظ فلسطینی کی ہندوانی شکل ہے، اور اس قیاس کی تائید اس تاریخی واقعہ سے ہوتی ہے، کہ انسائکلوپیڈیا بابلکا کے بقول فلسطینی رامیسز سوئیم کے زمانے میں تمام شمالی شام کو فتح کر چکے تھے، اور اغلب ہے کہ حطیوں کی طاقتور سلطنت انہی کے ہاتھوں برباد ہوئی، ان کے بعض لوگ

حطیوں کی طرف سے رامیسز دوئیم کے مقابلہ میں شریک جنگ رہے تھے، ان واقعات کی روشنی میں راون کو فلسطینی سلطان یقین کرنا چاہئے،

لفظ راون غالباً لبنان کی دوسری شکل ہے، ل اور ر قریب المخارج ہیں، اور ایک دوسرے سے بدل جاتے ہیں، یہی حال ب اور و کا ہے، لہذا لسانی قواعد کے تحت لبنان کو راون بن جانا بہت آسان ہے، اور لبنان ایک پہاڑ یا اس علاقہ کے حاکم کا نام تھا یا سمجھ لیا گیا،

ابو سمبل واقع نیوبیا میں پہاڑ کی چٹان کاٹ کر جو مندر تعمیر کیا گیا ہے، وہاں رامیسز کے کارنامے آج بھی تصویروں کی زبان سے سنے جاسکتے ہیں، کہیں قیدی قطار در قطار سامنے کھڑے ہیں، اور رامیسز کی خون آشام تلوار اپنی پیاس بجھا رہی ہے، اور کہیں اُن کے سر کے بال رامیسز پکڑے ہوے ہے، حامی اور سردار سب حضور میں حاضر ہیں، لبنان کے حاکم ختا سرو کے دس سردار بھی موجود ہیں، یہ ہے صحیح تفسیر راون کے دس سروں کی،

رامائن کے افسانے میں ایک اور اہم شخصیت والی کی ہے، جو جنوبی ہند میں بندروں کا بادشاہ ہے، سوگریو کے خوش کرنے کے لئے رامچندر جی والی کو قتل کر دیتے ہیں، یہ فعل اس سیرت کے خلاف ہے جو رامائن میں رام کی دی گئی ہے، مگر یہاں اخلاقی پہلو سے بحث نہیں، البتہ یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے، کہ اصلی رامچندر (یعنی رامیسز) ایک فاتح اور ملک گیر سلطان تھا، نہ کہ ایک مقدس نیک سرشت رشی، دوسرے یہ بے سبب آزردن، اور بلاوجہ خون ناحق ناقابل یقین ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ خود افسانہ نگار حالات سے باخبر نہیں، اور اس کا سبب بجز اسکے کیا ہو سکتا تھا، کہ وہ ایک سُنی سنائی روایت کو نظم کر رہا تھا، جس کے بعض واقعات نہ معلوم تھے اور نہ تحقیق ہو سکتے تھے،

نیل کے پہلے آبشار کے قریب فلی نام ایک جزیرہ واقع ہے، اس کے قریب کلب شاہ نامی شہر ہے، جس کا مشہور مندر مسلم چٹان کاٹ کر بنایا گیا ہے، یہاں سے آدھے میل پر اسی قسم کا ایک معبد اور ہے،

جکو بیت الوالی کہتے ہیں، یہ مندر رامیسز ثانی کی تعمیر ہے، جس کی دیواروں پر رامیسز نے نیوبیا والوں کے خلاف اپنی لڑائیوں کے کارنامے نقش کرادیئے ہیں، یہاں ایک تصویر میں دکھایا گیا ہے، کہ رامیسز کے سامنے نیوبیا والے تحفے اور نذریں پیش کر رہے ہیں، جن میں بندر بھی شامل ہیں، بندروں کی موجودگی کچھ حیرت انگیز نہیں، کیونکہ مصر میں اس جانور کو مذہبی نقطۂ نظر سے کافی عظمت حاصل تھی، آشوریہ کے بعض آثار میں بھی ان کی تصادیر پائی گئی ہیں، مصر میں ابوسمبل کے مندر میں بھی لنگوروں کی تصویریں موجود ہیں، قیاس یہ قائم ہوتا ہے، کہ نیوبیا کے بوزنہ پرستوں سے رامیسز کی ایک جنگ ہوئی، یہ جنوبی لڑائی اور شام میں لبنان والی جنگ ایک سلسلہ میں مربوط ہو کر ایک افسانہ بن گئیں، راماین نگار نے غالباً "والی" کو سنسکرت "والا" سے ماخوذ سمجھ کر جس کے معنی دم ہیں، والی اور اس کی قوم کو بندر قرار دیدیا،

اسی طرح راماین میں جو مقامات مذکور ہیں، اُن کی اصل بھی مصری معلوم ہوتی ہے، ہندوستان میں جو وقت یہ افسانہ پہنچا ہوگا، مقامات کے نام اصل مصری یا ان کی بگڑی ہوئی صورت ہوں گے، ہندی شاعر نے جب اس داستان کو ہندوستان کے ساتھ منسوب کرکے لکھنا شروع کیا، تو یہاں جو مقامات کچھ ملتے جلتے نام والے نظر آئے وہ مصری مقامات کی جگہ قائم کر دیئے، اجودھیا جو ہندوستان میں ایک چھوٹا قصبہ تھا، ایگوان کا قائم مقام ہو گیا، اور ایگوان پلوٹارچ کے بقول شہر منفس کا دوسرا نام تھا، یہ ہندی نام تو افسانہ میں داخل ہو گیا، لیکن وہ حالات اور کیفیات جو مصری نام سے وابستہ تھیں، ہندوستانی مقام پر صادق نہ آئیں، لیکن ہندوستانی ذہنیت راماین کے ترنم میں ایسی محو رہی، کہ اس شتر گربگی کو محسوس نہ کر سکی، اصلی ایگوان واقعی کبھی ایک زبردست بستی تھا، مس ایڈورڈس لکھتی ہے،

"آج وہ منفس کہاں ہے، جس کو ہیروڈوٹس، اسٹرابو اور عبد اللطیف نے دیکھا تھا، آج وہ شاندار کھنڈر کہاں باقی ہیں، جو قرونِ وسطیٰ میں بھی اتنی دور تک پھیلے ہوئے تھے کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک آدمی آدھے دن میں پہنچتا تھا، آج جہاں ابوالہول نصب ہے، کبھی یہیں تاہ کے مندر کا دروازہ تھا

راماین میں اجودھیا کی عظمت کا جو بیان دیا گیا ہے، وہ اجودھیا پر نہیں بلکہ ایگوان پر صادق آتا ہے راماین اجودھیا کو نسلِ انسانی کے مورث منوجی کا بنایا ہوا بتاتی ہے، ظاہر ہے کہ ان بستیوں میں جو ہندوستان کے ہندآریہ قوم نے آباد کیں، یا ان کا مرکز رہیں اجودھیا سے کہیں زیادہ قدیم مقامات موجود تھے، مثلاً ستلج اور گنگا کے درمیان ہستنا پور کی بستی جو آریوں کا مستقر رہ چکی تھی زیادہ حق رکھتی تھی، کہ منوجی کی تعمیر کہی جاتی، لیکن یہ ناموزونیت ایک بدیسی داستان کو ہندی بنانے کا لازمی نتیجہ تھا، منفس کے متعلق قدیم مصری عقیدہ تھا، کہ اس کو مانے جو مصریوں کے نزدیک دنیا کا سب سے پہلا انسان تھا، آباد کیا تھا، منفس یا ایگوان کی جگہ افسانہ میں اجودھیا کا نام داخل ہو گیا، لہذا عظمت اور قدامت کی نسبت وہ تمام روایات جو منفس کے متعلق صحیح تھیں اب اجودھیا پر نہیں پھبتیں،

یہ چند نمونے مسٹر ونیکٹارتنام کی تحقیقات کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہیں، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مصنف کا دعویٰ قطعی حد تک ثابت ہے، خود مصنف کہتا ہے کہ میں تاریخ کی عدالت میں حاضر، اور فیصلہ کا منتظر ہوں، مسٹر ونیکٹارتنام کے نظریہ میں سب سے بڑی کمی یہ ہے، کہ رامیسز کی کوئی جنگ کسی خاتون یا ملکہ کو دشمن سے چھین لینے کی خاطر نہیں لڑی گئی، لیکن افسانوں کی نشو و نما واقعات کو ٹھکرا دیتی ہے، ایک چھوٹے سے بیج سے جس طرح بڑے سے بڑا برگد پیدا ہو سکتا ہے، اسی طرح ذرا سی حقیقت چھوٹا سا واقعہ بے سروپا داستانوں کی بنیاد بن جاتا ہے، حسن و عشق کی چاشنی کے بغیر داستان میں مزہ نہیں پیدا ہوتا، بالخصوص تمام بڑے بڑے سورما جن کے فوجی کارنامے آنے والی نسلوں کی نگاہ میں اُن کو غیر فانی بنا دیتے ہیں، ایسے افسانوں کا مرکز بن جاتے ہیں، جن میں عورت کے حُسن کو دخل ضرور ہوتا ہے، وارداتِ محبت کی رنگینی پر عجوبہ آفرینی مستزاد ہو جاتی ہے، چنانچہ دنیا کے تمام مشہور افسانے اس کا ثبوت دے سکتے ہیں، اور مثالوں کو چھوڑ دیجئے، اُن افسانوں کو لیجئے، جو دکن میں اہل بیت رسول کے متعلق گڑھے گئے، مثلاً یزید سے واقعہ کربلا کا انتقام لینے کے لئے یزید اور محمد بن حنفیہ کو مقابل

کیا گیا ہے، اور زنگبار، فرنگ، حبش اور ترکستان کے بادشاہ ایک نہ ایک جانب سے شریک جنگ ہیں،
اسی طرح خاور نامہ میں حضرت علیؑ کو بہت سے جادوگر دل، مردم خوار قومون، بلور، لوہے اور سونے
کے شہرون میں رہنے والون سے لڑایا ہے، ان خاص مثالون کو پیش کرنے سے یہ دکھانا مقصود ہے
کہ جب اہلبیت پاک کے متعلق انسان کی خیال آرائیان اس حد تک پہنچ سکتی ہیں، تو ایک بھولے برسے
عہد کے متعلق کیا کچھ نہیں کہا جاسکتا، حضرت علیؑ اور یزید تو تاریخی عہد کے لوگ ہیں، اور ان کی نسبت یہ
دروغ گوئی اس قوم نے کی ہے، جو سیر اور تاریخ میں دنیا کی معلم اور بہترین مواد کی مالک تھی، رامچندر
تو ایک نامعلوم عہد کی موہوم ہستی تھا، جسکو افسانہ نگار کی بیرحم طبع آزمائی سے بچانے کے لئے نہ کوئی
سیرت نگار موجود تھا، نہ مورخ،

مجمع الادب اسمٰعیل کالج جوگیشوری

"انعامی مقابلہ"

اسمٰعیل کالج میں ، رفروری کو جو "یوم ولی" منایا گیا تھا، اوسکی عملی وعلمی صورت سے مستقل ومفید بنانیکے لئے مجمع الادب نے یہ طے کیا ہے کہ ملک کے ادیبوں، انشاپردازوں اور مضمون نگاروں سے درخواست کیجائے کہ وہ مندرجہ ذیل موضوع پر اظہار خیال فرمائیں، جو مضامین سب سے اچھے سمجھے جائیں گے، ان کیلئے معقول انعامات پیش کئے جائینگے، انشاپردازوں کے علاوہ تمام طلبہ سے بھی درخواست کیجاتی ہے کہ وہ اس موضوع پر لکھیں، طلبہ کے مضامین میں سے بھی سب سے اچھے دو مضامین میں اول کو ایک سونے کا اور دوسرے کو چاندی کا تمغہ دیا جائیگا، موصولہ مضامین میں سے چند مضامین ایک کتاب کی صورت میں شائع کئے جائینگے، مضامین مندرجہ ذیل پتہ پر یکم جولائی ۱۹۳۷ء تک پہنچ جانا چاہییں، طلبہ کو اپنے مضامین اپنے کالج یا اسکول کے ذمہ دار افسر کے ذریعہ روانہ کرنا چاہئیں، کوئی ایسا مضمون جو کہیں پڑھا جاچکا ہو، روانہ نہ کیا جائے، (۱) اردو ادب و شاعری میں ولی کا درجہ (۲) ولی سے پہلے گجرات، دکن اور شمالی ہند میں اردو کا درجہ (۳) ولی کی لسانی، ادبی، سماجی اور شعری خدمات (۴) موجودہ اردو ادبیات پر ولی کا اثر، مجمع الادب اسمٰعیل کالج جوگیشوری، نجیب اشرف ندوی صدر شعبۂ اردو

آزادی کا اخلاقی مفہوم

از

جناب پروفیسر معتضد ولی الرحمٰن صاحب ایم اے

(۲)

۷۔ ذات کی ماہیت،

اُس ذات کے متعلق ہمارا کیا خیال ہے، جس کی علّی توانائی یہاں کام کررہی ہے،؟ کیا یہ کہیں سے
بھی نہیں آتی،؟ کیا اسکی کوئی تاریخ نہیں، جو اس کی موجودہ فعلیت کو معین کرتی ہے،؟ کیا یہ ایسی
ناقابلِ احصاء قابلیت کی حامل ہے، جو طرقِ عمل کا انتخاب یا ان کا رد اس طرح کرتی ہے کہ اسکے
ارتقاء کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے،؟ اختیاریت ذات کے عدم تسلسل کے اقرار پر مجبور ہے، اس کے نزدیک
ذات بذاتِ خود ایک حقیقی علت ہے، یہ اصلی معنوں میں فعلیت کو پیدا کرتی ہے، کیا ذات کی یہ
تاویل قابلِ قبول ہے،؟ اسی سوال کا ہم کو جواب دینا ہے، یہ تو یقینی ہے کہ ذات خود اپنے آپ
کو پیدا نہیں کرتی، اور یہ سب تسلیم کریں گے، کہ یہ اپنی ہستی کے اوائل میں کسی فعلیت کو بھی پیدا نہیں
کیا کرتی، نہ ہمارے پاس اس بات کی کوئی شہادت ہے، کہ اپنی ذی شعور زندگی کی ابتداء میں یا وجود
میں آنے سے قبل ذات یہ سوچنے کے لئے سر جھکا کر بیٹھتی ہے، کہ وہ کس قسم کی ذات بننا پسند کرے گی،
جب اس میں شعور بیدار ہوتا ہے، تو یہ پہلے ہی سے ایسی فعلیتوں کا مجموعہ ہوتی ہے، جو ایک مخصوص
راستے میں بہت تیزی کے ساتھ حرکت کررہا ہے، جہان تک ہم معلوم کرسکتے ہیں، وہ ایک خاص

وقت میں شروع ہوتی ہے، ایک مخصوص جسمانی و نفسی فطرت سے بہرہ ور ہوتی ہے، ایک مخصوص ماحول میں داخل ہوتی ہے، اور ایک خاص تعلیم و تربیت کا نقش قبول کرتی ہے، جن تصورات یا نصب العینوں کی وجہ سے وہ بعد میں ابتدائی حالت میں ترمیم کرتی ہے، یا ان سے تجاوز کرتی ہے، ان کا سرچشمہ بھی اس عمرانی تاریخی زندگی میں ہوتا ہے، جسے وہ اختیار کرتی ہے، تم نہایت سنجیدگی کے ساتھ اپنے آپ سے سوال کرو، کہ "اگر میں کسی اور زمانہ اور ملک میں، اور کسی والدین سے پیدا ہوتا، اگر میں مخالف جنس کا ہوتا، اگر میرے جسمانی و ذہنی خصائص فطرۃً مختلف ہوتے اور اگر میری عقلی، اخلاقی اور مذہبی تربیت کسی اور طرح کی ہوتی، تو میری ذات کیسی ہوتی"؟ اسکے بعد پھر اپنے آپ سے پوچھو کہ "میں یہ دوسری ذات کیوں نہیں"؟ تو اس کا واحد جواب یہ ہوگا، کہ جو ذات کہ اب میری ہے، وہ مختلف حالات کا نتیجہ ہے،

ذہنی زندگی میں تعین کے اس تخیل کو داخل کرنے کی مخالفت زیادہ تر اس بنا پر کیجاتی ہے، کہ اس طرح عالم شعور میں تعین کی وہ قسم منتقل ہو جاتی ہے، جو میکانکی تعامل میں بردے کار آتی ہے، اس خیال کو تسلیم کر لینے سے ذات ایک منفعل نقطہ بن جاتی ہے، جو خارجی اعمال کو آگے کی طرف بڑھاتا ہے، لیکن یہ خیال شخصیت کی زندگی کے تمام پیچیدہ باطنی اعمال اور تعمیری فعلیتوں کے مفہوم کو کلیۃً کھو دیتا ہے، تفکر اور خود تنقیدی، خود رہنمائی، اور ذات کی اخلاقی جد وجہد کی ترقی، انسانی آزادی کے لازمی ثمرات ہیں، اور یہ آزادی معقول بصیرت ہیں، اور اس کی وجہ سے تعین کا نتیجہ اور ذات کی رُکن ہوتی ہے، یہ اپنے تجربوں، اپنے خیالات، اور اپنے علم سے مرکب ہوتی ہے، ہمارا دعویٰ صرف اسقدر ہے کہ یہ ترکیب کسی قیاسی اور بے اصول طریقے سے نہیں ہوتی، بلکہ واقعہ یہ ہے، کہ چونکہ عمل علم لازماً معلول منتظم، اور ضروری عمل ہوتا ہے، اسلئے انسانی آزادی جبر کی صورت میں متصور کیجانی چاہئے، درخت کو سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی نشو و نما میں مجبور محض ہے لیکن

اس وجہ سے ہم ان کو منفعل کچھ نہ کرنے والا، اور محض خارجی قوتوں کا نتیجہ نہیں سمجھتے، درخت اپنی زندگی اور نشو و نما کے تمام اعمال کی آلی وحدت ہوتا ہے، اور جب یہ تعمیری کام کرنا بند کر دیتا ہے، تو اس کی زندگی بھی ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح ہم حیوان کے متعلق بھی یہ سمجھتے ہیں، کہ وہ اپنی فعلیت سے علیحدہ ہو کر نہیں، بلکہ خود اپنے حیرت انگیز جبلی اعمال کی وجہ سے معین ہوتا ہے، ذات بھی اپنی اُن تمام فعلیتوں کی آلی وحدت ہے، جو حیوانی زندگی کی فعلیتوں کے مقابلے میں بہت زیادہ بھرپُور اور متنوع ہوتی ہیں، اور جس طرح غیر آلی فطرت کے میکانکی ضوابط نباتی زندگی، اور اس زندگی کے ضوابط، عالم حیوانی کی پیچیدہ تر زندگی کے لئے غیر موزوں ہیں، اسی طرح ہمارا خیال ہے، کہ ذی شعور اور استدلال کرنے والی ذات کی فعلیتوں کے اظہار کے لئے اور زیادہ پیچیدہ ضوابط کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ ذات ہستی کے ان اولیٰ مدارج سے بہت بلند ہے، اگر ذات کے اندر تعاقبات واقعات کے لئے "ضروری" ہے، لازمی ہے، تو "یہ ضروری" ہے، وہ نہیں، جو اُن تعاقبات کی یکسانیت کو ظاہر کرتا ہے، جن سے ایک مادی جسم دوسرے مادی جسم کے ساتھ ٹکرانے سے حرکت کرتا ہے، یہ محض میکانکی قوتوں کا مجموعہ نہیں، بلکہ اپنے اعلیٰ اظہارات میں یہ نصب العینوں اور تصورات سے معین ہوتا ہے، اور اس تعین میں فعل کی علت غائی، اس کی علت فاعلی بھی ہوتی ہے، ان تخیلات قیمت کی کشش کی وجہ سے، جو اغراض کو تحدی کرتے ہیں، اور ہم کو اپنا فرمانبردار بناتے ہیں، یہ تعین کائنات میں وہ واحد مقام ہے، جہاں ہم نہایت وضاحت کیساتھ غائی اور فاعلی تعلیل کی عینیت مشاہدہ کرتے ہیں،

غائی اور فاعلی تعلیل کا اتحاد

مختصر یہ کہ ہماری تعین ان غایتوں کے تصورات سے ہو سکتی ہے، جو خود اپنے تحقق کے محرکات بھی ہوتی ہیں تصورات فاعلی کی قوتیں بھی ہوتے ہیں، یہی واقعہ ہماری آزادی کا حقیقی منبع

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری عقل میں تجاوز کرنے کا ایک اصلی عنصر شامل ہوتا ہے جس کی وجہ سے ہم اس وقت کی غلامی سے خلاصی پاتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ غلامی سے خلاصی پانے کا یہی انسانی طریقہ ہے لیکن اختیاریت کا حامی یہ فرض کرنے کی طرف مائل ہوتا ہے، کہ ہر وہ چیز جو غائی تعلیل کے دائرے کے اندر ہوتی ہے، وہ علت فاعلی کے دائرے سے خارج ہوتی ہے، یہی فرض آزادی اور وجوب کے متعلق تفکر کی مقبول عام ثنویت کا سرچشمہ ہے، یہ کبھی نہیں ہوتا کہ ایک آیندہ واقعہ من حیث ہی موجود اور گذشتہ واقعات سے علٰحدہ ہو کر علۃ فاعلی ہو جائے، یہ خصوصیت صرف آیندہ واقعے کے موجودہ استحضار میں ہوتی ہے، "غایت" اگر کوئی اثر کر سکتی ہے، تو صرف اس طرح کہ وہ موجودہ تصور بنے اور یہ تصور متقدم عناصر سے تعمیر کیا جاتا ہے، انسان امکانی ضرورت کے لئے کب پس انداز کرتا ہے ظاہر ہے کہ صرف اس وقت جب اس ضرورت کا خیال پیدا ہوتا ہے، اور یہ بھی اتنا ہی یقینی ہے کہ اس کا یہ موجودہ خیال زمانہ گذشتہ کی پیداوار ہے، اگر ہم کسی جوان آدمی میں کسی ایسے نصب العین کے ذریعہ سے بلند نظری پیدا کرنا چاہتے ہیں، جو زمانہ آیندہ میں قابل حصول ہوگا، تو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ نصب العین اکی موجودہ حالتِ نفس سے متعلق ہو، متقدم عمل اخلاقی تعیین کے لئے اتنا ہی ضروری ہے، جتنا میکانکی عمل کے لئے، اگر ایک انجن کو بوسٹن سے نیویارک کی طرف ایسی طاقت سے حرکت دینے کی کوشش کرو، جو نیویارک میں پیدا کی گئی ہے، اور کسی طرح بوسٹن میں منتقل نہیں کی گئی، تو یہ کوشش جسقدر مہمل ہوگی، اسی قدر مہمل یہ خیال ہوگا، کہ زمانہ آیندہ کا کوئی واقعہ اس واقعے پر متقدم تصور کی حیثیت سے داخل ہوئے بغیر فعل پر اثر کرے گا، شعور کی ادنیٰ سطح پر اس تمام عمل کی مثال عضوی جبلتوں کی کارفرمائی میں ملتی ہے، بچوں کی پرورش گھونسلہ بنانے کی علت فرض کیجاتی ہے، لیکن یہ علت صرف اسی وقت کام کرتی ہے، جب ان عضوی اعمال میں مستحضر ہوتی ہے، جو رفتہ رفتہ گھونسلہ بنانے کی غایت کو معین کرتے ہیں،

اب اگر کہا جائے کہ ذات کی زندگی کو اس کی صبح آفرینش سے مسلسل فرض کرنے سے انسان فطرت کا جزو بن جاتا ہے، تو اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے، کہ ایسی صورت میں ہمیں فطرت کے تخیل کو اتنا بھرپور بنانا پڑے گا، کہ روحانی اعمال کی گنجایش نکل آئے، اس طرح ذات منفعل نہیں ہو جاتی، بلکہ متمول ہو جاتی ہے[1]، اس میں تو شبہہ ہی نہیں کہ انسان کے خود اپنی رہنمائی میں زندگی بسر کرنے، اپنے ہیجان اور اشتہا پر متصرف ہونے اور صداقت اور نیکی کی خواہش کرنے کی وقعت اور قیمت میں اس عقیدے سے کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، کہ یہ تمام اعمال قانون کی گرفت میں ہیں، برعکس اس کے اپنی زندگی کو بخت و اتفاق کا نتیجہ سمجھنا اپنی وقعت کو کم کرنا ہی،

یہ ملحوظ رہنا چاہئے، کہ آزادی کا مسئلہ کم از کم عوام کے تفکر میں ارادے کی ماہیت کے متعلق غلط خیال کی وجہ سے پیچیدہ ہو جاتا ہے، اکثر فرض کیا جاتا ہے کہ ارادہ ایک قوت ہے، جو ذات سے بالکل علٰحدہ ہے، اور یہ کہ یہ صرف انتخاب سے بروے کار آتا ہے، اور اس کے بعد ساکن و جامد ہو جاتا ہے، یہ گویا ایک ڈائی نمو ہے، جو عند الضرورت استعمال کے لئے تیار رکھا جاتا ہے، ارادے کی ماہیت و فعلیت کے متعلق یہ عقیدہ ناقابل قبول ہے، ارادہ ان معنوں میں ذات کا ممیز حصہ نہیں

[1] ذہنی اور جسمانی اعمال کے تعلق کے مسئلے پر یہاں چند الفاظ کتنا موزوں ہوں گے، اس پر تفصیلی بحث کی گنجایش نہیں ہے، میں صرف اپنے عقیدے کو مختصراً بیان کرتا ہوں، میرا خیال ہے کہ ذات یعنی ذہن اور جسم ایسے معنوں میں ایک وحدت ہی، جو کسی ثنوی نظریے کی سمجھ میں نہیں آسکتے، تمام شعوری حالتیں جسمانی اعمال بھی ہوتی ہیں، اگر ہمارا موجودہ علم مناسب ہوتا، تو ہم تمام ذہنی تجربوں کو طبیعی ضوابط کی شکل میں اور اس کے برعکس بیان کر سکتے، لیکن جس علم سے یہ ممکن ہوتا، وہی علم ہماری ذہنی زندگی کے طبیعی ضوابط کو نہایت وضاحت کے ساتھ ان تمام ضوابط سے تمیز کرتا جن میں دوسری قسم کی ہستیوں یا اشیا کی فعلیتوں کو بیان کیا جاتا ہی، اس کے علاوہ یہ ان کے معنوں اور ان کی قیمت کو کلیۃً ان شعوری تجربات کے دائرے

جن میں کہ متقدمین ماہرینِ نفسیات اسکو بیان کرتے تھے، ہمارے نزدیک بحالت کوشش نفس
حقیقت میں یہ ذی فکر و ذی حیثیت ذات ہے، چنانچہ اس وقت کا میرا ارادہ میری مجموعی ذات ہے
جو میرے تمام میلانات عادات، حسیات، خواہشات، مقاصد اور نصب العینوں کو حاوی ہے اور
جو اسوقت اپنا اظہار یعنی کوشش اور جد وجہد میں کر رہی ہے،

۸- اختیاریت اور عمل (Practice) کی مغایرت،

اختیاریت پر شاید سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ یہ حقیقۃً موجودہ مسائل عمل کے سامنے بالکل بیکار
ثابت ہوتی ہے، اگر نظری مقاصد ذات کو مسلسل اور لازماً متعین کرنے کی پر زور تائید کرتے ہیں
تو عملی مقاصد کی تائید بھی اتنی ہی پر زور ہے، اگر اخلاقی زندگی مسلسل ترقی پذیر نہیں، اگر اس کے
ماضی اور حال کے تعلق میں کوئی انقطاع ہے، تو ایک اچھا درخت برا پھل لا سکتا ہے، اور ہم
اخلاقی زندگی میں جو سے گندم اور گندم سے جو کی توقع رکھ سکتے ہیں، آج اچھا بیج بونا کل کو
بیکار ثابت ہو سکتا ہے، بدی اس خیال سے کیجا سکتی ہے کہ اس سے کوئی حرج واقع نہ ہوگا،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۱) کے اندر رہتا تھا جن کا ایک اظہار طبیعی اعمال کی صورت میں ہوتا ہے، (مصنف) یہ بہت
پرانی اور فلسفیوں کے لئے بہت پریشان کن بحث ہے، زمانہ حال میں پلانکز کے نظریہ مقادیر (Quantum
Theory) اور آئن سٹائن کے نظریۂ اضافیت نے اسکی شکل ذرا بدل دی تھی، پھر طبیعیات میں مادے کی ماہیت
بھی اب وہ نہیں رہی، جو پہلے سمجھی جاتی تھی، فعلیاتی نفسیات (Physiological psychology)
اور خصوصاً انسان نما مشینوں (Robots) کی ایجاد نے دوسری طرف نفس کے وجود کو مشتبہ کر دیا ہے، غرض یہ عجیب تماشا
ہے کہ بقول برٹ اینڈ رسل مادی علوم میں تو مادہ غائب ہو رہا ہے اور نفسی علوم میں سے نفس، یا یوں کہو کہ مادہ اور نفس کی
تفریق مٹ رہی ہے، نفس و جسم کے تعلق کے متعلق ایک نئے خیال کے لئے دیکھو رسالہ مانڈ بابت جنوری سنہ ۱۹۲۰ء میں مورٹن
پرنس کا مضمون On mind-Body Problem and the survival of
Consciousness After death. (مترجم)

اس طرح انسانی عمل کی توقعات اور اس عمل پر اعتماد کا خاتمہ ہو جاتا ہے، ثواب و عذاب، جوانوں کی
تربیت، تعلیم، حکومت، عمرانی کوشش، ذمہ داری، یہ سب کے سب ایک پوشیدہ جبر و تعیین پر مبنی ہیں، اگر سزا
کا کوئی اخلاقی جواز ہے، تو صرف یہ کہ یہ بدکار کی اصلاح کی خاطر ہوتی ہے، یا دوسروں کو بدکاری
سے روکنے کے لئے دونوں صورتوں میں آیندہ فعل کی تعیین اس کا مقصد ہے، لیکن اگر خطا و صواب میں سے
کسی ایک کے انتخاب کے دوسرے موقع پر بدکار اپنی اُس آزادی سے فائدہ اٹھائے، جو اس کے ماضی سے
بالکل منقطع ہے، تو سزا بالکل بے اثر رہ سکتی ہے، اور اس حالت میں وہ ایک بے ضرورت اور مبنی بر شرارت
ایذا رسانی بن جاتی ہے، یہ بے اثری ان تمام اشخاص تک پھیل سکتی ہے، جن کو اس سے متاثر کرنا
مقصود تھا، یہ صحیح ہے کہ سزا اکثر بے اثر ہو سکتی ہے، اور فی الواقع ہوتی ہے، لیکن جبریت کا اصرار ہے
کہ اس کی بھی ایک وجہ ہے، ہماری شان کے شایان یہ بات ہے کہ ہم اس وجہ کو معلوم کرنے کیلئے
ہاتھ پاؤں ماریں نہ کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائیں، اور ناکامی کو انسانی فطرت کی ستم ظریفی کی طرف منسوب
کریں، اس میں کسے شبہ ہو سکتا ہے کہ خاندان، مدرسے، اور سلطنت میں بدکاروں کے خلاف کارروائی
کی تمام ترقی جبریت کے اصول کے استعمال کا نتیجہ ہے، جس کے مطابق فعل کا کوئی جزو بھی بلا وجہ
نہیں ہوتا، اعمال پر اثر ڈالنے کی حد تک جزا کا حال بالکل وہی ہے، جو سزا کا ہے، جزا کی موثریت
بھی تمامتر اصول جبریت ہی پر مشروط ہے،

یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ والدین بچے کے لئے بہترین ماحول کیوں تلاش کرتے ہیں؟
وہ اسکی صحبت کی طرف سے فکرمند کیوں ہوتے ہیں؟ وہ تعلیم و تربیت کو اتنی اہمیت کیوں دیتے ہیں؟
ظاہر ہے کہ محض اس وجہ سے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہر سبب اسکی تشکل پذیر زندگی کو خاص شکل دینے پر قادر
ہے، لیکن اگر آزادی، عدم تعیین اور اختیاریت کے ہم معنی ہے، تو پھر اہم ترین فیصلے کے وقت یہ
تمام احتیاطیں بے کار ثابت ہوں گی، حکومت کی تمام مشین کے پس پردہ جو نظریہ کام کرتا ہے، وہ

یہ ہے کہ انسان کی تعیین محرکات سے ہوتی ہے، لہذا امید و بیم اور جزا و سزا کے مناسب محرکات مہیا
کئے جانے چاہئیں، عمرانی جد و جہد کے لئے کوئی چیز اتنی مہلک نہیں، جتنا یہ عام مسلّم اور معمول بہ عقیدہ
کہ انسان ایسے افعال صادر کر سکتا ہے، جن کی کوئی علت نہیں، جو ترقی پذیر ذہنی و اخلاقی زندگی کے
تسلسل کو توڑتے ہیں، اور جو عمرانی تاریخی واقعات کے عظیم الشان نظام سے بے تعلق ہوتے ہیں انفعیت
کو بالعموم ذمہ داری کے خیال سے قبول کیا جاتا ہے، لیکن اس میں ذمہ داری کا حال کچھ بہتر نہیں،
بہ قول ہارٹ مان اگر کوئی شخص اس آزاد ارادے کا مالک ہو، جس کی اختیاریت قائل ہے، تو سوسائٹی
اس کے ساتھ وہی سلوک کرے گی، جو وہ مجنونکے ساتھ کرتی ہے، کیونکہ اس کے افعال بھی سزا
اور اخلاقی ترغیب کے دائرے سے اتنے ہی خارج ہوں گے، یہ قول مبالغہ آمیز نہیں، اس قسم کے
آزاد ارادے کے امکانات کے سامنے ہر شخص لرزہ بر اندام ہو گا۔ اختیاریت کا قائل خود پر زور الفاظ
میں اصرار کرتا ہے کہ افعال بلا محرک اور غیر معین ہوتے ہیں، جو ذہنی زندگی کے تسلسل میں اچانک رونما
ہوتے ہیں، اور اس میں وہ بالکل نئی تخلیق دکھائی دیتے ہیں، اس دعوے کے مطابق وہ توجیہ و تفرق
سے کلیتہً خارج ہو جاتے ہیں، کسے معلوم ہے کہ ایک غیر مجبور اور غیر معین ارادہ عمل و سیرت میں
کیا کیا انقلاب پیدا کرے گا، ؟ تم اپنے ایک دوست کے خلوص، اس کی عزت اور ہمدردی پر کامل
اعتماد رکھتے ہو، اگر اس دوست پر ایسے آزاد ارادے کا دورہ پڑے، تو وہ بدترین دشمن بن جاسکتا ہے،
اپنے دوستوں اور ہم نشینوں پر ہمارا اعتماد اسی یقین پر مبنی ہے، کہ ان کا عمل کسی لحاظ سے بھی قیاسی
یا اتفاقی نہیں ہوتا، بلکہ یہ ان کی سیرت کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے، مختصر یہ کہ اختیاریت اخلاقی شعائر اور اخلاقی
نظام کو صرف اس طرح محفوظ رکھ سکتی ہے، کہ وہ اس عقیدے کو نظری میدان کے بعض عام مسائل
تک سختی کیساتھ محدود کر دے، لیکن جب نظریے سے عمل کے عینی واقعات کی توجیہ کا مطالبہ کیا جاتا
ہے، تو یہ گونگا اور بے کار ہو جاتا ہے، عملاً آزاد ارادے کا حامی اکثر قائلین جبریت میں سے سب سے

زیادہ مجبور ہوا کرتا ہے،

اگر ہم اخلاقی مدد اور ترقی کے منبع کو تلاش کرتے ہیں، تو ہم اپنے آپ کو باور کرا سکتے
ہیں، کہ وہ یا تو موجودہ محرکات کی تقویت میں ہوتا ہے، یا ان محرکات کے بجائے نئے اور موثر محرکات کی
تعیر میں، لیکن ان دونوں اعمال میں سے کوئی بھی مقدمات سے غیر متعلق فرض نہیں کیا جا سکتا، ان سے
جو تغیر واقع ہوتا ہے، وہ مناسب طور پر کامیاب اثرات کا نتیجہ ہوتا ہے، عام طور پر یوں کہنا چاہئے
کہ ہم اپنی اخلاقی مدد اور بصیرت کو بعض مخصوص علتوں کی طرف منسوب کر سکتے ہیں، ہماری ابتدائی
تربیت یا تجربات کے تلخ سبق، یا کسی شریف شخصیت کے اثر میں سے کوئی بھی نہ بارآور زیج بن سکتا ہے، جسکا
پھل ہم ممنونیت کیساتھ بعد میں کھاتے ہیں، اس میں شبہہ نہیں کہ بعض مثالوں میں اخلاقی قوت کے
حصول کا ان منافع تک کھوج نہیں لگایا جا سکتا، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کی کوئی
علت نہیں۔ اکثر ہوتا ہے کہ بعض غیر اہم تجربات ایک عقیدے کی پرورش کرتے ہیں، اور غیر شعوری
بعیر تین ان کی آبیاری کرتی ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک دن یہ عقیدہ پھوٹ کر ایک مصمم ارادے کی
شکل اختیار کر لیتا ہے، اور تمام زندگی کی رو بدل دیتا ہے، زیادہ غور و تامل سے معلوم ہوتا ہے،
کہ اخلاقی قوت کے ایسے اضافے عسیر التحلیل تو ضرور ہوتے ہیں، لیکن گذشتہ تجربے سے بے تعلق نہیں
ہوتے، اسکے برعکس گذشتہ تجربے سے ان کے تعلقات اتنے مقامات پر روشن ہوتے ہین کہ ہم ان کو ان
تجربات کا سلسلہ ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں،

لیکن اگر ہم اس عقیدے سے انکار کر دین، کہ ارادہ اپنے انتخابات میں تعیین کرنے والے
حالات سے آزاد ہے، تو کیا آزادی کے تخیل کی اہمیت باقی رہتی ہے، ؟ یا کیا ہم کو اس نصب العین
کو ترک کر دینا پڑتا ہے، جو ہمیشہ سے نوعِ انسان کے اعلیٰ مقاصد کا جامع ہے،

(باقی)

تذکرۂ طاہر

یعنے

سوانح خود نوشت

حسام الملک نواب سید محمد علی حسن خاں طاہر مرحوم

(۴)

کاتب الحروف کی حیات مستعار کی مختصر سرگذشت

سطور بالا میں جو کچھ میں نے بیان کیا، وہ تو میری زندگی کی یکرخی تصویر ہے جب اس تصویر کے دوسرے رُخ پر نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھ کو بجز تاریکی کے کوئی شے نظر نہیں آتی، ؎

شکل ہستی و عدم آئینہ دکھلاتا ہے | کہ ادھر سب نظر آتا ہے ادھر کچھ بھی نہیں

البتہ اس حیات دوروزہ کی طول طویل شبہائے سیہ بختی میں کبھی کبھی روشنی امید کی ایک خفیف جھلک بھی نظر آجایا کرتی ہے، مگر اس کی مثال ایسی ہے جیسے صحرا میں کسی ندی کے کنارہ پر کرم شب تاب کی چمک جو نہ رہنمائی کا کام دے سکتی ہے، اور نہ باعث تسکین خاطر ہو سکتی ہے، میری زندگی کی تمام تر سرگذشت تو مختصراً صرف ان دو شعروں میں پوشیدہ ہے، ؎

مختصر حال چشم و دل یہ ہے | اس کو آرام اس کو خواب نہیں
آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم | اب ہوئے خاک انتہا ہے یہ

لیکن اگر تکمیل سوانح اور درس عبرت کے لئے اسکی تفصیل کی بھی کسی قدر ضرورت ہو، تو

اس میں بھی کچھ عذر نہیں سُن لیجئے،

حلیہ

میں خلقۃً نحیف الجثۃ، اسمر اللون، اخف اللحیہ، کشادہ چشم و ابرو اور متوسط القامت واقع ہوا ہوں اور جب سے میں نے اس سرائے ناپائدار ہستی میں قدم رکھا، اسی وقت سے نحافت جسمانی اور پیش آنے والے امراض و اسقام کے آثار نمایاں ہونے لگے، پھر جب میں سن شعور کو پہنچا تو ایک قلیل مدت تک اگرچہ میری صحت معمولی طور پر اچھی رہی تاہم تقریباً سولہ برس کی عمر ہی سے مجھ کو نوازل اور بعض امراض مزمنہ سے سابقہ پڑا جس سے بہ مشکل جانبری نصیب ہوئی، مگر نجات حاصل نہیں ہوئی، اس سلسلۂ علالت نے مجھ کو زمانۂ دراز تک تعلیم کی برکتوں سے محروم رکھا، اور درس و تدریس سے ایک گونہ بیگانگی رہی، اگر میری والدہ محترمہ کی علمی قابلیت اور دینداری اور حضرت والد مرحوم کا فیض صحبت و تربیت اور میرے محترم استاذ مولٰنا محمد حسن صاحب بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کا معجز نما طریقۂ تعلیم میری دستگیری اور رہنمائی نہ کرتا، تو شاید عمر بھر میں جاہل محض رہتا، یہ والدین اور استاذ مرحوم ہی کے انفاس گرامی کی برکت تھی، کہ باوجود گوناگوں امراض و وحشت خاطر کے کچھ نہ کچھ سلسلۂ تعلیم جاری رہا، اور ان کے اسوۂ حسنہ کی روشن عملی مثال نے مجھ کو ضلالت و جہالت محض کے ظلمات سے باہر نکالا، جب میں نے عنفوان شباب کی منزل میں پہلا قدم رکھا، اور عربی و فارسی میں کسی قدر شُد بُد ہو گئی، تو میں نے ہر طرف سے اپنے کو سامان عیش و تنعم اور برگ و ساز جاہ و تحشم سے گھرا ہوا پایا، دنیا کے نشۂ عروج و اقبال کا اقتضا، تو عام طور پر یہی ہوا کرتا ہے، کہ آدمی دین و دنیا کے فرائض سے بیخبر ہو کر یا تو ہمہ تن عیش پرست اور راحت پسند بن جاتا ہے، اور فسق و فجور، لہو و لعب اور شغل چنگ و چغانہ اور دور بادہ و پیمانہ میں شب و روز مشغول و منہمک رہا، یا دنیا طلبی کے حرص و ہوس سے مغلوب ہو کر بلا اندیشۂ جائز و ناجائز ہمہ وقت اکتساب زر و سیم و جمع مال و متاع و استحصال مراتب عز و جاہ میں اپنی عمر کا گرانقدر حصہ ضائع کیا کرتا ہے،

عَلیَ المرءِ عارٌ کثرۃُ المالِ بعدہٗ　　　وَاَنتَ یا مغرور تجمع للغیری

نہ ہوش دین کے باقی رہے نہ دنیا کے　　　تری نگاہ مصیبت کا سامنا ٹھہری

بہت ممکن تھا کہ میرا بھی یہی حال ہوتا، کیونکہ ارباب حرص و آز اور پرستاران ہوا و ہوس کی نگاہ ظاہر بین میں کمال انسانی اور سعادت بشری کا یہی منتہا اور آخری سرحد ہے، لیکن حضرت والد مرحوم (جن کا قلب مصفا انوار ایمان سے روشن اور جن کی نگاہ دقیقہ رس فطرت انسانی کی رمز شناس تھی) مجھ کو ہمیشہ اپنے قول و عمل سے متنبہ کرتے رہتے تھے، کہ خبردار کبھی مال و متاع اور جاہ و حشمت دنیوی کے دام فریب میں نہ آنا، حُبُّ الدُّنیا راس کل خطیئۃٍ دنیا کی محبت تمام گناہوں اور غلط کاریوں کی اصل و بنیاد ہے،

غافل مشو ز عشوۂ دنیا کہ این عجوز　　　مکارہ می نشیند و محتالہ می رود

طلب آخرت کے ساتھ تو انسان مال و متاع اور عزو جاہ دنیا بھی حاصل کرسکتا ہے، مگر طلب دنیا کے ساتھ نعیم آخرت اور روح و ریحان رضائے الٰہی کبھی ہاتھ نہیں آیا کرتی، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے، اِنَّ اللّٰہَ یُعطِی الدُّنیا علیٰ نیۃِ الآخرۃ ولا یعطی الآخرۃ علیٰ نیۃِ الدُّنیا ؎

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت　　　بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت،

انسان کی سعادت و شرف کا مدار تزکیۂ روح، تہذیب باطن، محاسن اخلاق، اتباع حق اور طلب رضائے الٰہی پر ہے، نہ چند روزہ دنیائے فانی کے جاہ و ثروت و مال و منال پر، عیاذاً باللہ تعالیٰ ایاک والتنعم فان اللہ لیسوا بالمتنعمین. ؎

ہاں کھائیو مت فریب ہستی　　　ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے،

دولت دنیا کہ تمنا کند　　　با کہ وفا کرد کہ باما کند

ان کلمات حکمت آیات و ارشادات سراپا ہدایات پر غور کرنے اور عمل کرنے کی طرف اس زمانۂ عنوان شباب اور ایام غفلت و بے نیازی میں تو کیا توجہ ہوسکتی تھی، اگر یہ ضرور ہے، کہ حضرت والد مرحوم کے مواعظ و نصائح دل پر کچھ نہ کچھ اثر کئے بغیر نہ رہے، رفتہ رفتہ جس قدر عمر بڑھتی جاتی تھی، اسی قدر نئے نئے سامان دلکشی اور خود آشوبی کے طبیعت پر مستولی اور محیط ہوتے جاتے تھے، یہاں تک کہ جوانی کا پوری قوت کیساتھ آغاز ہوا، اور جوش شباب کے دلفریب جذبات نے جنکو اَلشَّبابُ شُعبۃٌ مِنَ الجنون کہا جاتا ہے، دل و دماغ پر ہر طرف سے ہجوم کیا، تو تمناہائے خفیہ نے نمایاں ہو کر دل میں چٹکیاں لینی شروع کیں اور زبان سے بے اختیار نکلنے لگا، ؎

راست می گویم و از گفتۂ خود دلشادم　　　بندۂ عشقم و از ہر دو جہان آزادم

چونکہ قدرت نے پہلے ہی سے میری طبیعت کو مہر و محبت کے آب و گل سے سرشت کیا تھا،

معمار وجود ار نہ زدے رنگ تو از حسن　　　در آب محبت گل آدم کہ سرشتے،

اسلئے اس باد تند کے پرزور جھونکوں نے میرے معصوم صفت دل کے نازک پودے کو متحرک زیر و زبر کرنا شروع کر دیا، کریشۃ بارض فلاۃ یقلبھا الرّیاح ظھر البطن، ؎

صد نخل آرزو بہ دلم جا گرفتہ بود　　　طوفان عشق آمد و بر یک دگر شکست

کچھ دنوں تک یہ سوز نہانی انگر زیر خاکستر کی طرح دل میں دبا رہا، لیکن جب سوز و گداز نے دل میں تپش پیدا کی، تو یہ نالہائے زیر لبی تسلی بخش نہ رہے، اور "فی کل وادٍ یھیمون" کی بیابان گردی اور حسن و عشق کی داستان میں عمر کا ایک معتد بہ حصہ برباد ہو گیا،

نالہ ہائے خانگی دل را تسلی بخش نیست　　　در بیابان می توان فریاد خاطر خواہ کرد

اگرچہ میں نہ کوئی اصطلاحی شاعر ہوں اور نہ سخن طرازی و سخن سنجی کا مجھکو دعویٰ ہے، لیکن بدو فطرت سے طبع موزوں ضرور ساتھ لایا ہوں، اور ابتدائے تعلیم سے ذوق شعر و سخن کی چاشنی کا لذت آشنا

ہوں، اسلئے برسوں کوچۂ شعر وسخن کی خاک اڑانا پڑی، اور جلوت وخلوت میں شب وروز اسی سوز وساز اور ہجوم ناز و عرض نیاز میں زندگی کے دن کاٹنا پڑے، ؎

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال　　جلوت ہی ہم سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہو

گلستاں کے باب پنجم میں حضرت سعدی شیرازی رح فرماتے ہیں، کہ "درایام جوانی چنانکہ افتد ودانی باشاہدے سیرے وسرے داشتم" خیر وہاں تو ایک شاہد تھا، مگر جب اس صنم کدۂ ہستی کو آنکھ کھول کر دیکھا، تو ہر طرف ایک عجیب وغریب عالم حیرت نظر آیا، ایک دل ہزار آرزو، ایک سر ہزار سودا، ایک صید ہزاروں صیاد، ایک جانفگار اور ہزاروں ناوک سوفار ؎

کہاں کہاں میں بچاؤں کہاں کہاں دیکھوں　　ہے خارزار محبت میں آبلہ دل کا

غرض برسوں اس فن کی کوچہ گردی، اور اس بادۂ مرد آزما کی شور ومستی میں بسر ہوئے، ہر وقت ایک نہ ایک جلوۂ ہوش ربا سامنے تھا، اور جس طرف نظر اٹھتی تھی، ایک نہ ایک زلف وگیسو کا دام فریب پھیلا نظر آتا تھا، اگر ایک پھندے سے دل کو بمشکل رہائی نصیب ہوتی تھی، تو دوسرے پھندے میں دل الجھ کر رہجاتا تھا ؎

ہے ترا سلسلۂ زلف بھی کتنا دل بند　　پھنسنے سے پہلے بھی مشکل تھا چھٹنا دل کا

تالیف دیوان وتذکرۂ بزم سخن

اسی عالم جوش وخروش اور مشغلۂ شعر وسخن میں غزلیات واشعار فارسی واردو کا ایک بڑا ذخیرہ جمع اور مرتب ہو گیا تھا، جو شاید دو کلیات ضخیم کے برابر ہوتا، مگر اسکے چھپنے کی نوبت نہیں آئی، کچھ زمانہ گذرنے کے بعد جب دل ان رنگ رلیوں سے پھیکا پڑا، تو وہ مجموعۂ غزلیات واشعار بھی تاراج دست تغافل اور نذر آتش کر دیا گیا ع

ایں دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ

خدا جانے کس طرح ابتدائی عمر کے معدودے چند اشعار اور غزلیں فارسی اور اردو کی بعض اوراق میں لکھی ہوئی پڑی رہ گئی تھیں

ان کو بعض اعزہ نے ترتیب دیکر فارسی غزلیات واشعار کا مجموعہ بنام خرمن گل اور غزلیات واشعار اردو کا مجموعہ بنام نالۂ دل طبع کرا کے شائع کر دیا، سچ یہ ہے کہ فارسی اور اردو کلام دونوں محتاج نقد ونظر وانتخاب تھے، مگر افسوس ہے کہ مجھ کو ان پر نظر ثانی کرنے کی نوبت نہیں آئی اسی ابتدائی زمانہ میں ایک تذکرہ شعرائے اردو کا میں نے مرتب کیا اور اس کا نام بزم سخن رکھا، یہ تذکرہ ۱۲۹۰ھ میں چھپکر شائع ہو چکا ہے،

تالیف گلگشت گلستاں

اسی اثنا میں مجھ کو گلستان سعدی کے تتبع پر ایک کتاب تالیف کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور میں نے قریبًا ایک باب گلستاں کے طرز پر لکھا، جس کا مسودہ اب تک میرے پاس موجود ہے، مگر بعض دیگر اشغال وافکار پیش آجانے کے سبب سے یہ ارادہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا، اور یہ باب بھی غیر مطبوعہ رہا، میں نے اس کتاب کا نام گلستاں کے نام پر دبستاں تجویز کیا تھا، مگر حضرت والد محترم نے یہ خیال کر کے کہ کہیں غلطی سے لوگ اسکو گلستاں کا جواب نہ سمجھیں، جس طرح کہ مولینا جامی رح نے بہارستان اور حکیم قاآنی نے پریشان اور خوانی نے خارستان لکھی ہے، یہ کتاب تو در حقیقت حضرت سعدی رح کی زبان وکلام کا تتبع ہے نہ جواب اسلئے انھوں نے اس کا نام گلگشت گلستاں رکھنا زیادہ موزون ومناسب سمجھا،

تالیف موارد المصادر

اسی زمانہ میں ایک کتاب مصادر فارسی میں استاذ مرحوم کی مدد سے تالیف کی، حضرت والد مرحوم نے اس کا نام موارد المصادر لمصادر والوارد رکھا، اور اس میں مصادر عربی کا اضافہ کیا، یہ کتاب بھی زیور انطباع سے آراستہ ہو کر شائع ہو چکی ہے،

بزم مشاعرہ کا انعقاد

حضرت والد محترم نے ہم دونوں بھائیوں کی ادبی قابلیت اور سخن طرازی وسخن فہمی کی لیاقت بڑھانے کے لئے ایک بزم مشاعرہ محل سرکاری پر قائم کی تھی، جو ہر ماہ کے آغاز میں ایک مرتبہ منعقد کیجاتی تھی، ہم دونوں بھائی بھی اپنی اپنی غزلیں لکھ کر لیجاتے تھے، اور

میرے محترم مرحوم دوست منشی امجد علی صاحب اشہری ساکن قصبہ پھپھوند ان غزلوں کو پڑھکر مشاعرہ میں سُنایا کرتے تھے،

چونکہ والد مرحوم کو ہم لوگوں کی اصلاحِ حال اور درستیِ مآل کا خیال بدرجۂ اتم رہا کرتا تھا، جسوقت ان کو شعر وسخن میں میرا سخت انہماک اور زلف وخط وخال کے مضامین میں میرا ہمہ وقت مشغول رہنے کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے جذباتِ نفسانی کے مدّ وجزر کو ملحوظ رکھکر بحکم الشعراء یتبعہم الغاؤن مجھکو ہروقت فکر شعر وسخن میں مصروف رہنے سے باز رکھنے کی کوشش کی، اور مطالعہ کتب حدیث و تصوف ورقاق کے جانب توجہ دلائی،

تالیف کتاب خطیرۃ القدس

میں نے اسی زمانہ میں کتب حدیث شریف سے متعدد احادیث قدسیہ جمع کرکے ان کو ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کیا، اور اسکو حضرت والد محترم کے ملاحظہ میں پیش کیا، والد مرحوم نے نہایت پسند کیا، اور اس کا نام خطیرۃ التقدیس رکھا اور خود اپنی قلم سے اس کا دیباچہ تحریر کیا، یہ عجالۂ نافعہ ماہ ربیع الاول ۱۳۰۷ھ میں چھپکر مشتہر ہوا، یہ زمانہ میری زندگی کا بہترین زمانہ تھا، اسی زمانہ سے کتب دینیات اور علوم وکتاب وسنت کے جانب میلانِ خاطر پیدا ہوا، اور زیادہ وقت اسی قسم کی کتابوں کے مطالعہ میں گذرنے لگا، مگر افسوس ہے کہ یہ مبارک مشغلہ زیادہ مدت تک قائم نہ رہ سکا، حضرت والد مرحوم کی وفات کے ساتھ اس کا بھی خاتمہ ہو گیا، ؎

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

والد مرحوم کے زمانہ حیات تک مجھ کو بجز مشاغلِ علمی معاملاتِ دنیا کے کسی کاروبار سے سروکار نہ تھا، ان کی وفات کے بعد جب اپنے حال پر نظر کی تو اپنے کو طرح طرح کے مشکلات وافکار میں مبتلا پایا، اور تمام خانگی وملکی وقومی ومذہبی معاملات کا مدار اپنے ہی دوش ناتواں پر پایا، ؎

بنایا آدمی کو ذوق ایک جزو ضعیف
اور اس ضعیف سے کل کام دوجہاں کیلئے

خدا ہی خوب جانتا ہے کہ کتنے دن اور کتنی راتیں اور کتنا وقت اضطراب وبیداری اور تردد وقلق کے ساتھ معاملاتِ دنیوی کی گتھیوں کے سُلجھانے اور تدبیر منزل انتظم دفتر انتظام خانہ داری اور بند وبست جاگیر وغیرہ کی کشمکش میں گزارنا پڑا، جب اس طرف سے کسی قدر فراغت حاصل ہوئی تو پھر وہی قدیم ذوقِ شعر وسخن غالب آیا، اور زیادہ وقت اسی میں صرف ہونے لگا، باایں ہمہ نہ اب وہ اگلا سا جوش وخروش دل میں باقی تھا، نہ ویسا اطمینان اور فراغ خاطر حاصل تھا، جب اپنے ماحول پر غور کیا، تو نہ وہ اگلی سی علمی صحبتیں باقی پائیں، نہ وہ بابرکت دینی مجلسیں نظر آئیں جہاں شب وروز قال اللہ وقال الرسول کا ذکر رہا کرتا تھا، چند ہی سال میں شہر کی کایا پلٹ ہو چکی، اور مغربی طرز خیالات ومعاشرت کی ہوائیں چلنا شروع ہوئیں، بیرونی ممالک کے جدید تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد روز بروز ریاست میں بڑھ رہی تھی،

انقلاب خیالات اور علوم جدیدہ کی طرف میلان خاطر

میرے حلقۂ احباب میں بھی بعض تعلیم یافتہ لوگ شامل ہو گئے تھے، ان کی وجہ سے مجھ کو بھی یورپ کے علوم جدیدہ کی جانب میلانِ خاطر پیدا ہوا، تاریخ یورپ اور فلسفہ وسائنس مغربی سے کان آشنا ہوئے، یہاں سے میری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا، جسقدر میری معلومات میں اضافہ ہوتا جاتا تھا، اسی قدر مشرقی علوم سے بیگانگی، اور مذہبی خیالات میں پستی وتساہل ترقی کرتا جاتا تھا، یہاں تک کہ ذات وصفات باری تعالی، حشر ونشر، دوزخ وجنت، حساب وکتاب، گناہ وثواب، خطاب وعتاب، روح ومادہ تکوین حیات، تخلیق کائنات ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہ تھی، جس پر میرا عقیدہ علی حالہ قائم رہا ہو اور دل میں یہ خیال نہ آنے لگتا ہو، ؎

خرد ایسی ہو شہد و شیر نظر جو دلماں کی
غم دیں بھی اگر سمجھو تو ایک دھندا ہے دنیا کا

مغرب کی نظر فریب روشنی نے میری نگاہ خیرہ کر دی، فلاسفہ مغرب کی تیز روشنی کے

سامنے علمائے اسلام کی تحقیقات مغلس کا چراغ نظر آنے لگی، اور بے ساختہ منہ سے نکلنے لگا،

عالمان راہست علم ورہ بہ اوج راز نیست — ہست مرغ خانہ را بال و پر پرواز نیست

خبر زندہ دلی نیست اہلِ مدرسہ را — کہ دل بسان مگس در کتاب می میرد

برسوں میں اسی صحرائے پرخار کی خاک بیزی اور اس کے کانٹوں سے عطر گلاب کھینچنے کی سعی لاحاصل میں لگا رہا، یہ چند سال مجھ پر ایسے گذرے ہیں کہ میں گویا الحاد و زندقہ کے نارِ جحیم کے کنارے پر پہونچ چکا تھا، اور قریب تھا کہ میں طعمۂ آتش ہو جاؤں،

سرسید مرحوم کی تالیفات کا مطالعہ اور اُن سے خط و کتابت کا آغاز

اسی اثنا میں مجکو سرسید احمد خاں بہادر مرحوم کی تالیفات کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا، اور میں نے ان سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری کیا، اور ان سے تفسیر احمدی خطبات احمدیہ، اور مجموعہ لکچرز منگا کر ان کو اوّل سے آخر تک پڑھا، اور ایک ہزار روپیہ تعمیر اسٹریچی ہال کی مد میں ارسال کیا،

مولینا شبلی کی تصانیف کا اثر اور انکا ورود بھوپال

اسی عرصہ میں حضرت مولینا شبلی کی کتاب المامون طبع ہوئی، اور بھوپال میں خاصکر اس کتاب نے ایک عام ذوق تاریخ اسلام کے مطالعہ کا پیدا کر دیا، اور جو مخالفت تحریک علی گڈھ اور سرسید سے عام طور پر برپا تھی اوس کا آہستہ آہستہ ازالہ بھی سلسلۂ تصانیفِ علامہ شبلی و دیگر اسلامی تاریخی کتب کی اشاعت و عام مطالعہ سے ہوتا گیا، حضرت علامہ سے اس عرصہ میں خط و کتابت رہی اور بہ اصرار وہ بھوپال طلب کئے گئے، انکی اول تشریف آوری سرسید کے حیدر آباد ڈیپوٹیشن کے موقعہ پر ہوئی، غریب خانہ نور محل میں ان کا قیام رہا، اور یہیں انھوں نے اپنا مشہور قصیدہ فارسی جسکا مقطع ہے، ع

شہ نظام است و بزیبد کہ نظامی باشم

طبع کرایا، اللہ اللہ کیا پر لطف صحبتیں تھیں، قریبًا تمام علماء و شعرائے بھوپال سے مولینا کے علمی مباحث رہتے تھے

جس نے بھوپال جیسے قدامت پرست مقام پر ایک عام ہیجان برپا کر کے دورِ اصلاح کا آغاز کر دیا،

سرسید مرحوم کا ورود بھوپال

دہم جولائی ۱۸۹۱ء کو سرسید مرحوم نے مجکو ایک خط لکھا، اور میری تحریک پر بھوپال میں آنے کی خواہش ظاہر کی، اور مجھ سے مشورہ لیا، بعد ازاں ستمبر ۱۸۹۱ء میں وہ بھوپال رونق افروز ہوئے، اُن سے دو چار ملاقاتوں کی عزت حاصل ہوئی، اور بہت سے مسائل زیر نظر پر انکی رائے عالی سے مزید روشنی پڑی، بست و چہارم مئی ۱۸۹۷ء میں سرسید مرحوم نے مجھ کو ازراہ عنایت دو جلدیں تہذیب الاخلاق کی اپنے خط کیساتھ ارسال کیں، اور نہایت مہربانی و شفقت آمیز الفاظ میں تحریر فرمایا کہ یہ دونوں جلدیں میری ملکیت ہیں کالج سے انکو کچھ علاقہ نہیں، اس لئے بطور نذر آپ کی خدمت میں مرسل ہیں امید ہے کہ آپ قبول فرمائیں گے،

امداد مدرسۃ العلوم،

زمانہ اقامتِ بھوپال میں رئیسۂ عالیہ خلد مکان نے دس بارہ ہزار روپیہ کالج کی امداد میں سرسید مرحوم کو عطا فرمائے پھر بلحاظ مزید شفقت دو دو ہزار روپیہ میاں عالمگیر محمد خانصاحب میاں صدر محمد خانصاحب مرحوم، برادر معظم مرحوم اور کاتب الحروف کی جانب سے امدادِ کالج میں رئیسۂ عالیہ نے مرحمت فرمائے،

شرکتِ کانفرنس،

وقتِ مراجعت علی گڈھ سرسید مرحوم نے مجھ سے وعدہ لیا کہ میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدۂ علیگڈھ میں جو بماہ دسمبر ۱۸۹۱ء میں ہونے والی ہے، بذاتِ خود شریک ہو کر مسلمانانِ ہند کی قومی و تعلیمی معاملات میں سرگرمی اور اسلامی شان و عظمت کے آثار کالج کی حالت اور تعلیم کی روز افزوں ترقی کو اپنی آنکھ سے معائنہ کروں، اور اسکی امداد میں کوشش کروں چنانچہ مین نے حسب وعدہ علیگڈھ پہونچکر شرکت کانفرنس کی عزت حاصل کی، اگرچہ سرسید مرحوم کو اسوقت مصروفیت بہت تھی، تاہم دو ایک باران کے فیضِ صحبت اور خیالات سے مستفید ہونے کا زرین موقع ملا، پانزدہم دسمبر ۱۸۹۵ء میں سرسید مرحوم نے مجکو تحریر فرمایا کہ میں آپ کو اپنا دلی دوست اور معین و مددگار اس

قومی کام کا سمجھتا ہوں جس کے انجام پر میں نے اپنی عمر صرف کی ہے، اور مجھ کو امید ہے کہ آپ ممبر بنکر اس کام کے مددگار رہیں گے،

اسلامیہ کلب بمبئی کی ممبری

اسی سال حسنِ اتفاق سے اسلامیہ کلب بمبئی کا میں ممبر منتخب کیا گیا، اور انریبل سر فاضل بھائی وسرام نے بذریعہ خط مورخہ یازدہم مارچ ۱۸۹۵ء میں مجھ کو مطلع فرمایا، اگرچہ مجھ کو کلب کے کسی سالانہ جلسہ میں شریک ہونے کا موقع نہیں ملا، مگر میں نے اسلامیہ کلب کے مقاصد کو مدِ نظر رکھکر ایک خطبۃ البیان کے نام سے چھپوا کر سکریٹری اسلامیہ کلب بمبئی کے پاس ارسال کیا، اور اسکی بقیہ تمام جلدیں میں نے کالج کے حق میں وقف کر کے سرسید مرحوم کی خدمت میں روانہ کر دیں،

سرسید مرحوم نے مجھ کو ٹرسٹی بنانیکی خواہش کی

بعد ازاں سرسید مرحوم نے مجھ کو تحریر فرمایا کہ میں آپ کو کالج کا ٹرسٹی بنانا چاہتا ہوں، ہاں یا نا جو منظور ہو، اس سے جلد مطلع کیجئے، میں نے اس کے جواب میں یادآوری و مہربانی کا شکریہ ادا کر کے اور افسوس کیساتھ بعض مجبوریوں کا اظہار کر کے جو اس وقت لاحق حال تھیں، معذرت کی اور لکھا کہ یہ تو میری عین آرزو تھی، اور ٹرسٹی ہونا میرے لئے ہر طرح عزت کا باعث تھا، مگر بعض وجوہ سے مجبوراً میں اپنی اس دلی تمنا کو کسی دوسرے وقت پر ملتوی رکھتا ہوں، اور کالج کی جو دوکوشش میرے امکان میں ہے، اس کے کرنے کے لئے نہایت مسرت کیساتھ میں اب بھی موجود ہوں اور آیندہ بھی رہونگا، اور جب کبھی مجھکو ذرا بھی موقع ملے گا، تو بلا تامل حاضرِ خدمت ہو کر جو ارشاد ہوگا، اسکی تعمیل اپنے لئے باعثِ عزت خیال کرونگا،

ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی ممبری

اسی زمانہ میں حضرت شمس العلماء علامہ شبلی مرحوم نے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے سالانہ جلسہ میں میرے ممبر بنائے جانے کی تحریک کی، اور مسٹر آرنلڈ پروفیسر علی گڈھ کالج نے تائید کی، جو ممبروں کے اتفاق رائے سے منظور ہوئی،

(باقی)

حیدرآباد دکن
کے
اردو اخبارات اور رسائل

از

جناب سید تمکین صاحب کاظمی منشی فاضل ایف آر اے ایس ام آر اے ایس

(۲)

۱۹۰۸ء میں مولوی ظفریاب خان نے "ادیب" ماہوار جاری کیا، اوس کی ترتیب وغیرہ اور مالی امداد بھی مولینا سید خورشید علی (ناظم دفتر دیوانی و مال وملکی وغیرہ) کیا کرتے تھے کئی سال تک ادیب جاری رہا،

۱۹۱۰ء میں دکن لا رپورٹ کے نام سے ایک قانونی ماہوار رسالہ جاری ہوا جسکے اڈیٹر ابتداً مسٹر اصغر بیرسٹر (جسٹس نواب اصغر یار جنگ بہادر) مولوی غلام اکبر خان (جسٹس نواب اکبر یار جنگ بہادر) وغیرہ تھے، یہ رسالہ اب تک جاری ہے،

۱۹۱۱ء میں نواب ممتاز یار الدولہ نے مدرسہ آصفیہ ملک پیٹھ سے ایک ہفتہ وار اخبار آصفیہ گزٹ جاری کیا، جو دو سال تک نکل کر بند ہو گیا،

۱۹۱۱ء ہی میں ماہوار صحیفہ جو مولوی اکبر علی کی ادارت میں نکل رہا تھا، روزنامہ ہو گیا، جو اب تک موجود ہے،

۱۹۱۱ء ہی میں مولوی محمد علی خان ناظم نے عثمان گزٹ ہفتہ وار جاری کیا جو جلد ہی بند ہو گیا،

۱۹۱۱ء ہی میں مستقر ضلع بیدر سے ایک ہفتہ وار اخبار بیدر گزٹ کا اجرا ہوا،

۱۹۱۲ء میں امیر حسن صاحب نے معارف کے نام سے ایک روزنامہ جاری کیا جو ایک سال تک جاری رہ کر بند ہو گیا،

۱۹۱۲ء ہی میں احمد اللہ بیگ اور رگھوناتھ راؤ درد نے ادیب الاطفال کے نام سے ایک ماہوار رسالہ جاری کیا جو چند مہینوں تک جاری رہ کر بند ہو گیا،

۱۹۱۲ء میں حکیم نادر علی نے گلدستہ نادر ماہوار جاری کیا،

۱۹۱۲ء ہی میں انجمن محبوبیہ کوٹلہ عالیجاہ سے احمد علی جودت نے دربار کے نام سے ایک ماہوار رسالہ جاری کیا،

۱۹۱۳ء میں راے گوبند پرشاد نے شاہد سخن کے نام سے ایک ماہوار رسالہ جاری کیا،

۱۹۱۴ء میں نواب عماد الملک بہادر کوتوال بلدہ نے پولیس گزٹ جاری کیا جو حیدرآباد کی کوتوالی ہی سے متعلق تھا،

۱۹۱۴ء ہی میں ہز اکسلنسی سر مہاراجہ یمین السلطنۃ کی سرپرستی میں تزک عثمانیہ ماہوار جاری ہوا،

۱۹۱۴ء ہی میں مولوی غلام محمد وفا اور رگھوناتھ راؤ درد نے تاج نکالا جو اس عہد کا واحد معیاری رسالہ تھا مسلسل دو سال تک جاری رہکر یہ رسالہ ۱۹۱۶ء میں بند ہو گیا، اور پھر اپریل ۱۹۲۴ء سے دوبارہ جاری ہوا، مگر ایک ہی سال نکل کر پھر بند ہو گیا، جس کے بعد بھی ایک معیاری رسالہ تھا،

۱۹۱۵ء میں مولینا جوش بلگرامی نے ذخیرہ ماہوار جاری کیا، اور حیدرآباد میں ایک علمی اور ادبی فضا پیدا کر دی، ترتیب رسالہ کا ڈھنگ بھی نہایت اچھا رکھا، بڑے اعلیٰ پایہ کے

مضامین شائع کئے،

۱۹۱۶ء میں مولینا نظام شاہ لبیب نے افادہ ماہوار جاری کیا، جو اپنی نوعیت کا بہترین رسالہ تھا،

۱۹۱۷ء میں حکیم بشیر احمد صاحب نے ایک طبی ماہوار رسالہ المعالج جاری کیا،

۱۹۱۷ء ہی میں مولوی رحمت اللہ صاحب مددگار معتمد (حال نواب رحمت یار جنگ بہادر کوتوال بلدہ) نے محکمۂ مالگذاری سے وقائع مال جاری کیا، جو محکمۂ مالگذاری اور موسمی رپورٹ اور دیگر تفصیلات کا حامل ہوتا تھا،

۱۹۱۷ء ہی میں ترلوکی ناتھ سہائے نے نظائر برٹش انڈیا کے نام سے ماہوار رسالہ جاری کیا جس میں پریوی کونسل اور عدالتہائے برٹش انڈیا کے فیصلے ترجمہ کر کے شائع کئے جاتے تھے،

۱۹۱۷ء ہی میں عبد الرب صاحب کوکب نے بچوں کے لئے ایک ماہوار رسالہ اتالیق جاری کیا،

۱۹۱۸ء میں مولوی مظہر حسین صاحب ناظم زراعت سرکار عالی نے ایک زرعی ماہوار رسالہ رہبر مزارعین جاری کیا،

۱۹۱۸ء ہی میں غالباً مولوی نصیر الدین ہاشمی نے انجمن ثمرۃ الادب سے ثمرۃ الادب ماہوار رسالہ جاری کیا،

۱۹۱۸ء ہی میں ایک ماہوار رسالہ شعلہ جاری ہوا، جو جلد ہی بند ہو گیا،

۱۹۱۸ء ہی میں عبد الوہاب صاحب عندلیب نے ایک مذہبی ہفتہ وار رسالہ واعظ جاری کیا، جو ۱۹۱۹ء سے ہفتہ وار نکلنے لگا،

۱۹۱۹ء میں صغرا بیگم صاحبہ اہلیہ ہمایوں مرزا بیرسٹر نے ایک نسوانی ماہوار رسالہ النساء جاری کیا جو مدت تک جاری رہا،

۱۹۲۰ء میں پنڈت وشنو مادھو راؤ نے ایک قانونی ماہوار رسالہ دوست جاری کیا،

۱۹۲۰ء ہی میں مرغوب الدین صاحب بی اے نے ایک تعلیمی ماہوار رسالہ نونہال جاری کیا

۱۹۲۱ء میں مولوی سید احمد محی الدین بی اے نے اخبار رہبر دکن روزانہ جاری کیا
جو اب تک جاری ہے،

۱۹۲۱ء ہی میں مولوی عبد الحق بی اے معتمد انجمن ترقی اردو نے اورنگ آباد سے رسالہ
اردو سہ ماہی جاری کیا،

۱۹۲۲ء ہی میں مولوی مرزا رفیق بیگ نے ایک صنعتی و حرفتی ماہوار پرچہ نمائش کے نام سے
جاری کیا جو عرصہ تک کامیابی کیساتھ چلتا رہا، مگر ۱۹۲۹ء کے بعد ایک آزاد نے اس پرچے کو اپنے ہاتھ
میں لے کر نہ صرف علمی و ادبی بنانا چاہا، بلکہ ذاتی بغض و عناد کا مظاہرہ کرنے کے لئے بھی نمائش ہی کے
اوراق استعمال کئے گئے جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ پرچہ بند ہوگیا،

۱۹۲۲ء ہی میں ابو المکارم محمد انوار اللہ صاحب نے ایک ماہوار رسالہ ترقی جاری کیا، جو
نہایت ٹھوس اور معیاری رسالہ تھا، اس کے لکھنے والے بھی نہایت قابل اور تجربہ کار تھے، نواب
سید خورشید علی ناظم دفتر دیوانی و مال و ملکی اس کے سرپرست تھے، اور قلمی و مالی امداد آخر تک کرتے
رہے، یہ پرچہ حسن اور تاج کے بعد جاری ہوا تھا، مگر اس نے اس مردہ حسن میں جان ڈال دی تھی،
جو ایک مدت پہلے جاری تھا، افسوس ہے کہ ابو المکارم صاحب کی علالت اور ذاتی مصروفیتوں کی وجہ سے
ترقی کو روبہ انحطاط ہونا پڑا،

۱۹۲۲ء ہی میں ایک زنانہ رسالہ مریم بیگم صاحبہ اہلیہ ولی الدین صاحب نے خادمہ کے نام سے
ماہوار جاری کیا،

۱۹۲۲ء ہی میں مولوی سید محمد ضامن کنتوری نے لسان الملک کے نام سے ایک ماہوار رسالہ

جاری کیا، جو بلحاظ مضامین و ترتیب نہایت بلند پایہ تھا،

۱۹۲۳ء میں مولوی غلام محمد وفا نے رسالہ تاج کو جو اس سے پہلے نکل کر بند ہو چکا تھا، دوبارہ
جاری کیا، مگر افسوس ہے کہ ایک ہی سال کے بعد یہ رسالہ پھر بند ہوگیا، تاج کا نقش ثانی نقش
اول سے ہر طرح اعلیٰ تھا،

۱۹۲۳ء ہی میں نظام کالج اردو میگزین سہ ماہی جاری ہوا، جس کے معتمد نواب طاہر علی
خان بی، ایچ ڈی سی تھے اور اڈیٹر محمد امیر خاں صاحب غربت یہ رسالہ ایک سال تک جاری رہا،

۱۹۲۳ء میں سید محمود ید اللہی صاحب نے المصدق کے نام سے ایک ماہوار رسالہ مہدوی
حضرات کے لئے جاری کیا،

۱۹۲۳ء ہی میں ایک تعلیمی ماہوار رسالہ المعلم کے نام سے مولوی محمد عظمت اللہ خان بی، اے
اور مولوی سید محمد حسین جعفری بی اے نے جاری کیا، جو اب مولوی سجاد مرزا ایم اے صدر کلیۃ المعلمین کی
ادارت میں جاری ہے،

۱۹۲۳ء ہی میں جناب روحی نے ایک ہفتہ وار اخبار راز جاری کیا،

۱۹۲۳ء ہی میں سراج الدین صاحب نے ایک مذہبی ماہوار رسالہ معلم العلوم کے نام
سے جاری کیا،

۱۹۲۳ء ہی میں سراج الدین صاحب نے اور ایک ماہوار مذہبی رسالہ توحید کے نام
سے جاری کیا،

۱۹۲۳ء ہی میں مولوی سید باقر حسین طارق نے ایک مذہبی ماہوار النور کے نام سے جاری کیا،

۱۹۲۳ء ہی میں ابو الفدا نور محمد صاحب نے ایک مذہبی رسالہ صراط المستقیم کے نام
سے جاری کیا،

۱۹۲۴ء میں محب اللہ خان بہادر عالی رفاعی نے ایک انجمن ارباب اردو کے نام سے قائم کرکے اس کے زیر انتظام تحفہ ماہوار جاری کیا، جو نہایت عمدگی سے ایک سال تک نکلتا رہا، مگر منتظم رسالہ کی بے عنوانیوں کی وجہ سے نواب عالی نے اس رسالہ کو دوسرے شخص کے حوالہ کردیا، مگر وہ بھی جاری نہ رکھ سکے، تحفہ بھی ایک ٹھوس علمی و ادبی رسالہ تھا، جس نے حیدر آباد کے علمی ذخیرہ میں خاصا اضافہ کیا،

۱۹۲۴ء ہی میں سکندر آباد سے افضل شریف صاحب نے ارتقا جاری کیا، جو ڈیڑھ دو سال تک جاری رہا،

۱۹۲۴ء ہی میں سکندر آباد سے اور ایک ماہوار رسالہ رہبر تعلیم جاری ہوا، جو تعلیمی رسالہ تھا،

۱۹۲۴ء ہی میں ابو المکارم انوار اللہ صاحب نے ترجمان کے نام سے ایک ماہوار رسالہ جاری کیا جو ایک ہی اشاعت کی حد تک رہا،

۱۹۲۴ء ہی میں دور ترقی کے نام سے ڈاکٹر جیلانی بیگ صاحب نے ایک ماہوار رسالہ چھپوایا، مگر وہ پریس سے باہر نہ آسکا،

۱۹۲۵ء میں رائے بھوانی پرشاد نے سائین کی صدا کے نام سے ایک ماہوار مذہبی اخلاقی رسالہ جاری کیا،

(باقی)

تلخیص و تبصرہ

کیا ہم دوسروں کے دل کی بات معلوم کرسکتے ہیں

مندرجہ بالا عنوان سے ایڈوین ٹیل (Edwin Teale) کا ایک نہایت دلچسپ مضمون رسالہ پاپولر سائنس بابت مارچ ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا ہے، جس میں ٹیلی پیتھی (Telepathy) کے مسئلہ پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے، ٹیلی پیتھی کے معنی ہیں خیالات کا بغیر حواس خمسہ کی مدد کے ایک شخص کے دماغ سے دوسرے شخص کے دماغ تک منتقل ہونا خواہ وہ دوسرا شخص کتنے ہی زیادہ فاصلہ پر کیوں نہ ہو، نفسیات کا یہ حیرت انگیز پہلو اب تک تحقیق کی روشنی میں نہیں آیا تھا، چند سالوں سے اہل سائنس نے اس پر توجہ کی ہے، اور اب دنیا کے ہر حصہ میں اس پر تجربے کئے جا رہے ہیں، امریکہ کے سائنس دانوں نے خصوصیت کیساتھ اس مسئلہ میں زیادہ دلچسپی لی ہے، مضمون کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

میرے ایک دوست نے خواب میں دیکھا کہ اس کا لڑکا جو ایک دور دراز مقام پر کالج میں تعلیم پا رہا تھا، فٹ بال کھیلنے میں گر گیا، اور اس کا ٹخنہ ٹوٹ گیا، دوسرے روز بعد لڑکے کا خط آیا کہ میرے ٹخنے میں موچ آگئی ہے، لیکن دوسرے روز ایک خط اور آیا، جس میں لکھا تھا کہ اکسرے سے معائنہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ ٹخنہ ٹوٹ گیا ہے،

چند روز ہوئے جزیرہ ہوائی سے اطلاع آئی کہ بریان (L. W. Bryan) نامی ایک شخص نے خواب میں دیکھا، کہ ایک سپاہی پریشانی کی حالت میں کوہ آتش فشاں ماونالوا

(Mauna Loa) کے کنارے مارا مارا پھر رہا ہے، واقعہ یہ تھا کہ فوج کا ایک سپاہی گم ہوگیا تھا، اور ایک ہفتہ سے لوگ اوسے جنگلوں میں تلاش کر رہے تھے، بیدار ہونے کے بعد بریان فوراً پہاڑ کے اس حصہ پر پہونچا، اور ٹھیک اسی مقام پر سپاہی کو پایا، جہاں خواب میں اسے دیکھا تھا،

اس قسم کے واقعات کی توجیہ کیا ہوسکتی ہے، ؟ کیا وہ محض اتفاقی واقعات ہیں؟ یا کیا وہ انسان کی سریع الاعتقادی، اور توہم پرستی کا نتیجہ ہیں، ؟ کیا وہ سراسر دھوکا اور فریب ہیں، یا کیا وہ دماغ کے کسی ایسے حصہ کا وجود ثابت کرتے ہیں، جس کی تلاش و تحقیق ابھی تک نہیں ہوئی ہے، اور جس سے مستقبل کے لئے بڑے بڑے امکانات ہیں، ؟ دنیا کے ہر حصہ میں ماہرین سائنس ان سوالات پر بحث کر رہے ہیں، اور مختلف معملوں میں ٹیلی پیتھی پر تجربے کئے جا رہے ہیں، چنانچہ پچھلے چند مہینوں میں حیرت انگیز تحقیقات ہوئی ہیں،

ہم میں سے اکثر آدمیوں کو ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، جن کی توجیہ ہم نہیں کرسکتے، کبھی کبھی ایک لمحہ کے لئے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ جو چیز اس وقت پیش آرہی ہے، اس سے قبل بھی پیش آچکی ہے، کبھی کبھی ہم کسی ایسے شخص کا خیال کرنے لگتے ہیں، جس کو ہم نے مہینوں یا سالوں سے نہیں دیکھا ہے، اور پھر تھوڑے ہی دنوں میں اس سے ملاقات بھی ہوجاتی ہے، اکثر ایک ہی ایجاد کے پیٹنٹ کے لئے متعدد درخواستیں تقریباً ایک ہی وقت میں آجاتی ہیں، ایک روز ایک عورت سوکر اٹھی، تو اس کے دل میں یہ بات جمی ہوئی تھی، کہ ایک دور کا ہمسایہ جو بیمار بھی نہیں تھا، رات کو مرگیا، چند گھنٹوں کے بعد اطلاع پہونچی کہ وہ ہمسایہ دراصل رات کو مرگیا؛

تقریباً ہر کتب خانہ میں ایسی کتابیں موجود ملیں گی، جن میں اس قسم کے محیرالعقول تجربات درج ہوں گے، لیکن شک کرنے والا یہ کہہ سکتا ہے، کہ یہ واقعات ثبوت کے لئے کافی نہیں، کیونکہ جو خواب

یا پیش بینی صحیح ثابت ہوتی ہے، اُسے تو مشہور کر دیا جاتا ہے، مگر ہزاروں پیش بینیاں جو صحیح ثابت نہیں ہوتیں ان کا ذکر بھی کبھی نہیں ہوتا، مثلاً اس ہسپانی عورت کا واقعہ جس نے خواب میں دیکھا تھا، کہ لاٹری میں اس کا نمبر انعام حاصل کرے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور انعام اُسی کو ملا، تمام دنیا کے اخباروں نے اس واقعہ کی اشاعت کی، بعد کو ایک سائنس داں نے تفتیش کرکے معلوم کیا کہ اس عورت کے علاوہ سو آدمیوں نے اور بھی جو اس لاٹری میں شریک تھے، خواب دیکھا تھا کہ ان کا نمبر انعام حاصل کریگا لیکن انھیں انعام نہیں ملا، لہذا اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے ضروری ہے، کہ کامیاب اور ناکامیاب دونوں قسم کی پیش بینیاں سامنے رکھی جائیں،

حال کے تجربہ کرنے والے اسی نقطۂ نظر سے تمام اعداد و شمار جمع کر رہے ہیں، ٹیلی پیتھی کے متعلق مختلف سائنس داں مختلف طریقوں سے تجربے کر رہے ہیں، لیکن اس وقت تک سب سے زیادہ کامیاب ڈیوک یونیورسٹی (شمالی کارولینا، امریکہ) کے پروفیسر ڈاکٹر رائن (Rhine) کا تجربہ ثابت ہوا ہے، اور ان کے تجربے جو نتائج حاصل ہوئے ہیں، وہ ٹیلی پیتھی کی تحقیق میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں، ڈاکٹر موصوف اس نتیجہ پر پہونچے ہیں، کہ ہر شخص میں ٹیلی پیتھی کی قابلیت کچھ نہ کچھ ہوتی ہے، اور بعض آدمیوں میں یہ قوت خاص طور پر ودیعت ہوتی ہے، نیز یہ قابلیت خاندانوں میں وراثۃً منتقل ہوتی رہتی ہے، یہ بھی دیکھا گیا ہے، کہ تکان، پریشانی، اور منشیات کے استعمال کا اثر بھی ٹیلی پیتھی کی قابلیت پر پڑتا رہتا ہے، مثلاً تجربہ سے پہلے معمول نے جب کوئی نشاط انگیز اور مدر چیز استعمال کی تو ان میں ٹیلی پیتھی کی قوت بڑھ گئی، اور جب کوئی ایسی چیز استعمال کی جس سے طبیعت میں سستی اور اداسی پیدا ہوتی ہے، تو اس قوت میں بھی ضعف محسوس ہونے لگا،

چند روز ہوئے میں نے ڈاکٹر رائن کے معمل میں جاکر دیکھا کہ ٹیلی پیتھی کے متعلق ایک نہایت حیرت انگیز تجربہ کیا جا رہا ہے، بالائی منزل کے ایک کمرہ میں ایک شخص گھڑی لئے ہوئے ایک میز

کے قریب بیٹھا تھا، میز پر تاش کے پچیس پتوں کی ایک چھوٹی سی گڈی رکھی ہوئی تھی، پتوں پر حسب ذیل پانچ قسم کے نشانات تھے: ایک ستارہ، ایک صلیب، چند موج نما لکیریں، ایک مستطیل اور ایک دائرہ، ہر نشان کے پانچ پانچ پتے تھے، اس شخص نے گڈی میں سے ایک پتا اٹھایا اور ساٹھ سکنڈ تک اس کو غور سے دیکھتا رہا، جوں ہی سکنڈ کی سوئی ساٹھ کے عدد سے گذری اس نے وہ پتا رکھ کر دوسرا پتا اٹھایا، اسی طرح ساٹھ ساٹھ سکنڈ تک وہ یکے بعد دیگرے تمام پتوں کو غور سے دیکھتا رہا، ٹھیک اسی وقت تین ہزار میل کے فاصلہ پر کیلی فورنیا، کے ایک محل میں ایک دوسرا شخص ایک ہاتھ میں پنسل اور دوسرے ہاتھ میں ویسی ہی گھڑی لئے ہوئے خاموش بیٹھا ہوا تھا، جس وقت پہلا شخص کوئی پتا اٹھا کر اسے دیکھتا اسی وقت یہ دوسرا شخص بھی نوٹ کرتا جاتا، کہ اس کے خیال میں کس نشان کا پتا منتخب کیا گیا ہے، ڈاکٹر رائن کا خیال یہ ہے کہ اگر دوسرے شخص نے محض حسن اتفاق سے صحیح نشان کا پتہ نوٹ کیا ہے، تو ایسا زیادہ سے زیادہ بیس فی صدی ہو سکتا ہے، لیکن جب کامیابی بیس فی صدی سے زیادہ ہو، تو سمجھنا چاہئے کہ حسن اتفاق کے علاوہ اور کوئی پر اسرار شے بھی کار فرما ہے، اور اسی کو ہم ٹیلی پیتھی کہتے ہیں،

اب آئیے ان کے نتائج پر نظر ڈالیں، ڈیوک یونیورسٹی کے ایک طالب علم کی ابتدائی (۶۰۰) کوششوں میں (۲۳۸) کامیاب ثابت ہوئیں، اس سے بھی زیادہ کامیاب ایک دوسرا طالب علم ثابت ہوا، اس نے (۱۱۲۵۰) بار تجربہ کیا، اور شروع سے آخر تک اوسطاً ہر پچیس پتوں میں نو پتے صحیح نوٹ کئے، ایک بار اس نے مسلسل (۲۵) پتے یکے بعد دیگرے صحیح نوٹ کئے، ڈاکٹر رائن کے ایک لاکھ تجربوں میں جو درجنوں معمولوں پر کئے گئے ہیں، اوسطاً پچیس میں سات سے زیادہ کامیاب ثابت ہوئے ہیں،

ریاستہائے امریکہ میں اس وقت کم از کم ایک درجن کالج اور یونیورسٹیاں ڈاکٹر رائن کے تجربوں میں شریک ہیں، چنانچہ اسی سلسلہ میں ہارورڈ یونیورسٹی کے محقق ڈاکٹر اسٹابروکس

(Estabrooks) کے ساتھ ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا، تجربہ کے وقت انہون نے تاش کا ایک پتا اٹھایا، اتفاق سے فونٹن پن کی روشنائی اس پر گر گئی، جس سے پتا خراب ہو گیا، چونکہ گڈی قیمتی تھی، ڈاکٹر موصوف پتے کے خراب ہو جانے سے بہت جھلائے، بہرحال اس کے بعد جب اونھون نے اپنے معمول کے اندراجات کا معائنہ شروع کیا، تو اونھوں نے دیکھا، کہ اس پتے کا اندراج بالکل صحیح کیا گیا ہے، نیز اس کے متعلق حاشیہ پر ایک خاص نشان بھی بنا دیا گیا ہے اس نشان کی وجہ معمول نے یہ بیان کی کہ اس پتے کے نوٹ کرنے کا خیال میرے ذہن میں ایسی معمولی شدت کے ساتھ پیدا ہوا کہ میں نے سوچا، کہ اس کے انتخاب کے وقت ضرور کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے، ڈاکٹر رائن کو ٹیلی پیتھی کی تحقیق کا خیال ایک خاص واقعہ سے پیدا ہوا وہ یہ ہے:-

ایک عورت نے رات کو خواب میں دیکھا کہ اس کے بھائی نے اپنے کھلیان میں جاکر جو نو میل کے فاصلہ پر تھا، پستول سے خودکشی کر لی ہے، وہ چیختی ہوئی اٹھی، اور اسی وقت رات کو اپنے شوہر کے ساتھ بھائی کے کھلیان پر پہنچی، وہاں پہنچکر دیکھا، کہ گولی سر سے پار ہو گئی ہے، جیسا کہ اس نے خواب میں دیکھا تھا، اور لاش ٹھنڈی ہو چکی ہے،

"ع ز"

فینلینڈ کے مسلمان

فینلنڈ یورپ کے اخیر کنارون میں سویڈن کے پاس ایک ملک ہے، جہاں پہلے کوئی مسلمان نہ تھا، لیکن جب روس کے اشتراکی انقلاب سے مجبور ہو کر روس کے اکثر مسلمان آس پاس کے ملکوں میں نکل گیے، جہاں اون کی مذہبی آزادی کے لئے کسی قسم کا خطرہ نہ تھا، ان مسلمانوں میں بڑی تعداد جو تاتاری تھی، اپنے اصلی وطن ایدل اور ال کو چھوڑ کر یورپ کے شمالی ملکوں میں جاکر بس گئی، پھر یہاں سے بڑھکر فینلینڈ میں رہ پڑی، ان میں سے بعض تجارت کے ذریعہ پہلے سے فینلنڈ کے اصلی باشندون

کے ساتھ راہ و رسم رکھتے تھے،

ان مسلمانوں کے روس سے چلے جانے، اور فینلنڈ میں رہ پڑنے کے بعد سے ان کے واقعات اور حالات معلوم کرنے کی مشرقی مسلمانوں میں سے کسی نے کبھی کوشش نہیں کی، مجھے جہانتک علم ہے، استاذ محقق بشر فارس پہلے مشرقی شخص ہیں، جنھوں نے ادھر توجہ کی، اور فینلنڈ کے مسلمانوں کے حالات معلوم کرکے اس پر ایک مضمون لکھا،

آج کل فینلنڈ کے مسلمانوں کی تعداد سات سو کے قریب ہے، اتنے کم ہونے پر بھی ان میں پورا اتحاد اور اتفاق ہے، وہ مذہب اسلام پر برابر قائم ہیں، اور اس کی تعلیمات کو پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ اپنے اخلاق و آداب اور چال چلن کی بہتری کی وجہ سے فینلنڈ کے اصلی باشندوں کی نگاہوں میں کافی عزت و حرمت رکھتے ہیں، اور ہمیشہ عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں،

فینلنڈ کی حکومت نے ۲۴؍ اپریل سنہ ۱۹۲۵ء کو باقاعدہ طور پر مسلمانوں کو اپنی رعایا تسلیم کر لیا ہے، نیز حکومت نے فینلنڈ کی انجمن جمعیۃ اسلامیہ کو بھی جسکو وہاں کے معزز مسلمانوں نے اپنی جمعیت کو متحد و متفق رکھنے کی غرض سے فینلنڈ کے پایۂ تخت ہلسنجفور میں قائم کیا تھا، قانونی حیثیت سے تسلیم کر لیا ہے، آجکل اس انجمن کے صدر سید ظہور طاہر ہیں،

یوں تو مسلمان فینلنڈ کے سترہ شہروں میں بستے ہیں، مگر ان کی بڑی تعداد ہلسنجفور، تمبری، اور توالکو میں رہتی ہے، تقریباً سب کے سب تجارت پیشہ ہیں، اور لین دین کے معاملات میں اپنی سچائی اور ایمانداری کے لئے مشہور ہیں،

فینلنڈ کی حکومت نے وہاں کے مسلمانوں کو وہ سب شہری اور ملکی حقوق دیئے ہیں، جو وہاں کی اور قوموں اور اصلی باشندوں کو حاصل ہیں، ان پر حکومت کی ملازمتوں کا دروازہ کھلا ہے، اور مسلمان ہر قسم کی ملازمتوں کے امید وار ہو سکتے ہیں،

فینلنڈ کے مسلمانوں کا ایک باقاعدہ امام بھی ہے، جو آجکل حکیم ولی احمد ہیں، یہ فینلنڈ کے پایۂ تخت ہلسنجفور میں رہتے ہیں، اور ارشاد و افتاء کا کام انجام دیتے ہیں، شادی بیاہ اور ترکہ کے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں، اور پیدا ہونے اور مرنے والے مسلمانوں کا حساب رکھتے ہیں، اور ان سب کیساتھ مذہبی تعلیم اور اساتذہ کے انتخاب کے شعبوں کی نگرانی بھی کرتے ہیں،

مسلمانوں کے شادی بیاہ کے تمام معاملات شریعتِ اسلامیہ کے احکام کے مطابق انجام پاتے ہیں، زیادہ تر نکاح آپس ہی میں ہوتا ہے، کبھی کبھی بعض مسلمان ان عیسائی عورتوں سے بھی شادی کر لیتے ہیں، جو مذہبِ اسلام قبول کر چکی ہوتی ہیں،

فینلنڈ کے مسلمان اپنے بچوں کی مذہبی تعلیم کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں، چنانچہ اس غرض سے انھوں نے کئی مذہبی مدرسے قائم کئے ہیں، جہاں لڑکوں کو ہفتہ میں دو تین گھنٹے ترکی زبان میں مذہبِ اسلام اور اسلامی اور ترکی تاریخ پڑھائی جاتی ہے، نماز و روزہ وغیرہ کے مسئلے سکھائے جاتے ہیں، قرآن مجید حفظ کرایا جاتا ہے، اور فنِ تجوید کی تعلیم دیجاتی ہے،

دینی مدرسوں میں سب سے بڑے دو مدرسے ہیں، ایک ہلسنجفور میں ہے، اور دوسرا تمبری میں انجمن جمعیۃ اسلامیہ انھی مدارس کے طالب علموں کے سامنے وقتاً فوقتاً دینی وطنی اور تاریخی مسئلوں پر خطبے دیا کرتی ہے، تاکہ ان طالب علموں کی نظر وسیع ہو، اور آیندہ چلکر مذہب و ملت کی خدمت انجام دے سکیں،

فینلنڈ کے مسلمانوں میں اب تک قومیت کا جذبہ کارفرما ہے، اس کا سب سے بڑا ثبوت وہ خطوط و رسائل ہیں جو جمعیۃ اسلامیہ کے سکریٹری سید ابراہیم عارف اللہ نے سنہ ۱۹۳۳ء میں فینلنڈی زبان میں اپنی قوم کے نام شائع کئے ہیں، جن میں ان ترکوں کی مدد اور حمایت کی پر زور درخواست کی ہے جو روس کے اشتراکیوں کے پنجۂ ظلم میں گرفتار ہیں،

فینلنڈ کے مسلمان ترکی حروفِ تہجی کو جدید لاطینی رسم الخط کے ساتھ استعمال کرتے ہیں، اور اسلامی عیدوں کے علاوہ ترکی اور قومی جشن بھی مناتے ہیں، خاصکر میلاد النبی کے جلسوں کا بڑا اہتمام کرتے ہیں،

بالدار مسلمان اپنے گھروں پر کثرت سے میلاد النبی کے جلسے کرتے ہیں، جنہیں عموماً تمام مسلمان شرکت کرتے ہیں، ان جلسوں میں تلاوتِ قرآن کے بعد امام ترکی زبان میں ایک مناسب خطبہ دیتا ہے،

فینلنڈ میں مسلمانوں کی تین چھوٹی مسجدیں پائی جاتی ہیں، جنہیں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے، اور جہاں مسجدیں نہیں ہیں، وہاں کسی ایک شخص کے مکان پر جمع ہو کر نماز پڑھائی جاتی ہے، عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے علاوہ اور کسی نماز میں مسلمان عورتیں شریک نہیں ہوتیں،

مسلمان عورتوں کو فینلنڈ کی عورت کی طرح ہر قسم کی آزادی حاصل ہے، سوائے اسکے کہ وہ ناچ اور گانون وغیرہ میں شریک نہیں ہوتیں، اور اسلامی احکام کی اتباع کرتی ہیں، فینلنڈ کی قانون کے مطابق مسلمان عورت بھی وہاں کی دوسری قوموں کی عورتوں کی طرح سترہ سال کی عمر سے پہلے نکاح نہیں کر سکتی،

سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ فینلنڈ کے مسلمان شراب اور دوسری نشہ آور چیزیں قطعاً نہیں استعمال کرتے، بیس سال کے عرصہ تک کوئی ایسا مسلمان نہیں ملا جو شراب یا کسی نشہ آور چیز کے استعمال کرنے کے جرم میں فینلنڈ کی پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہوا ہو،

"ی"

خلافت اور ہندوستان

آغازِ اسلام سے اس عہد تک مسلمانانِ ہند اور خلفائے اسلام سے جو تعلقات رہے ہیں، ان کی تشریح اور سلاطینِ ہند کی تاریخ، سکوں اور کتبوں سے ان تعلقات کا ثبوت، ضخامت ۱۰۶ صفحے، قیمت: ۸/

دنیائے اسلام اور خلافت

موجودہ عہد میں خلافتِ عثمانیہ کے قیام و بقا کے لئے دنیا کی مسلمان قومیں کیا جد و جہد کر رہی ہیں، مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہیں، ضخامت ۵۰ صفحے، قیمت ۶/

"منیجر"

اخبار علمیہ

طبی امداد بذریعہ ریڈیو

ریاستہائے متحدہ امریکہ کے محکمۂ صحتِ عامہ نے جہاز کے مسافروں کی طبی امداد کا ایک نہایت قابلِ قدر انتظام کیا ہے، اگر کوئی مسافر جہاز پر بیمار ہو جائے، اور ڈاکٹر کی عدم موجودگی یا مرض کی صحیح تشخیص نہ ہونے کی وجہ سے مریض کو افاقہ نہ ہو رہا ہو، تو جہاز کا کپتان فوراً ریڈیو پر ڈاکٹر (Medico) کی اطلاع کرتا ہے، جب کسی جہاز سے ریڈیو پر "ڈاکٹر" (میڈیکو) کی آواز سنائی دیتی ہے، تو اسکی حد کے اندر ریڈیو کے تمام دوسرے پیغامات فوراً موقوف کر دیئے جاتے ہیں، اس ناگہانی اطلاع کے معنی یہ ہوتے ہیں، کہ کسی جہاز پر کوئی مسافر سخت بیمار ہو گیا ہے، اور ڈاکٹر علاج کے لئے موجود نہیں ہے، اس اطلاع کے پاتے ہی کوئی ریڈیو اسٹیشن جو بحری پیغامات حاصل کرتا رہتا ہے، جہاز کے کپتان سے مریض کا حال دریافت کر کے اُسے فوراً ہی ٹیلی فون کے ذریعہ سے محکمۂ صحتِ عامہ کے قریب ترین بحری ہسپتال میں پہونچا دیتا ہے، ہسپتال کے ڈاکٹر جمع ہو کر مرض کی تشخیص کرتے ہیں، نسخہ تجویز کرتے ہیں، اور اپنی رائے سے اس ریڈیو اسٹیشن کو بذریعۂ ٹیلیفون مطلع کر دیتے ہیں، ریڈیو اسٹیشن یہ پیغام فوراً جہاز کے کپتان تک پہنچا دیتا ہے، اس طرح پندرہ منٹ کے اندر طبی مشورہ حاصل ہو جاتا ہے، جب سے یہ انتظام شروع ہوا ہے، بے شمار آدمیوں کو شدید ترین امراض سے نجات مل چکی ہے، اور ہزاروں جانیں بچائی جا چکی ہیں،

اس کے علاوہ محکمۂ مذکور نے امریکہ کے تمام بڑے بڑے بندرگاہوں پر جہاز کے کپتانوں اور
جہاز رانوں کے لئے ڈاکٹری کی ابتدائی تعلیم کے لئے بھی جس سے فوری طبی مدد پہنچائی جا سکے پورا
کا انتظام کیا ہے،

عکسی کتب خانے

عنقریب ایک ایسی مشین رائج ہوجانے والی ہے، جو علمی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیگی
کتابوں کی ضخامت کم کرنے کے لئے امریکہ میں ایک جدید قسم کا کیمرا ایجاد کیا گیا ہے، جس میں سینما کے
فلم کی طرح اخباروں اور کتابوں کے فوٹو نہایت چھوٹے پیمانہ پر تیار کئے جاتے ہیں، اتنے چھوٹے
پیمانہ پر کہ مطبوعات کی موجودہ ضخامت گھٹ کر ۲/۱۰۰۰ رہ جائیگی، برٹش میوزیم، نیویارک پبلک لائبریری
اور امریکہ کے بعض دوسرے کتب خانوں میں اس کیمرے کا استعمال شروع ہوگیا ہے، اور پرانے
اخباروں کے فائل اس کے ذریعہ محفوظ کئے جارہے ہیں، چنانچہ نیویارک پبلک لائبریری میں اخبار
نیویارک ہیرلڈ ٹریبیون (Herald Tribune) کے مکمل فائل کا مطالعہ صرف چند فٹ
لمبی فلم پر کیا جاسکتا ہے، فلم تیار کرنے کے بعد ایک مشین میں لگادی جاتی ہے، جس کے زیریں حصہ
میں ایک پردہ لگا ہوتا ہے، اس پردہ پر خطوط اپنے اصلی سائز سے بھی بڑے دکھائی دیتے ہیں، اور
بالکل اتنے ہی صاف، یہ مشین چھوٹے چھوٹے کتب خانوں کی دسترس سے بھی باہر نہیں ہے، پورا
جسمیں تصویریں لی بھی جاسکیں، اور دیکھی بھی جاسکیں، پچاس ڈالر میں خریدا جاسکتا ہے، بڑی اور بہترین قسم
کی مشین کی قیمت پانچ ہزار ڈالر ہے، گھر کے استعمال کے لئے چھوٹی چھوٹی مشینیں امریکہ اور یورپ کے
بازاروں میں آگئی ہیں،

آثارِ حیات

روس کے بعض محققین جو مشرقی سائبیریا میں طبقاتِ ارض کا مطالعہ کر رہے ہیں بیان کرتے ہیں

کہ ایسی زمین میں بھی جو صدیوں سے برف کے نیچے دبی ہوئی ہے، حیات کے آثار پائے جاتے ہیں، اور
اس کے اندر ایسے کیڑے برآمد ہوئے ہیں جنہیں زندگی کی استعداد ابھی باقی ہے، ان لوگوں نے برف
سے ڈھکی ہوئی زمین کے چند ٹکڑے ایک گہرے گڑھے سے کھود کر نکالے، اور پگھلنے کے لئے ان کو آب
مقطر میں چھوڑ دیا، اس کے بعد خوردبین سے معائنہ کرکے دیکھا کہ اس میں جھینگا مچھلی کی شکل کے چھوٹے
چھوٹے زندہ کیڑے موجود ہیں، ماہرین سائنس کا اندازہ ہے کہ یہ کیڑے برف کے نیچے ایک خوابیدہ
حالت میں کم از کم تین ہزار برس سے موجود ہیں،

برقی کمبل

امریکہ کے ایک موجد نے ایک ایسا کمبل تیار کیا ہے، جس کی بناوٹ میں برقی تار لگے ہوئے ہیں
سوتے وقت بجلی کی بیٹری سے جو پلنگ کے سرہانے رکھی رہتی ہے، ایک تار کے ذریعہ اس کا تعلق
قائم کردیا جاتا ہے، باہر سردی خواہ کتنی ہی شدید ہو، سونے والا آرام سے سوتا رہتا ہے، مشین میں یہ
رعایت بھی رکھی گئی ہے کہ کمبل کو جسقدر گرم کرنا چاہیں کر سکتے ہیں، لیکن اگر کمبل حد سے زیادہ گرم
ہوجائے تو برقی رو خودبخود منقطع ہوجاتی ہے، اور سونے والے کو تکلیف نہیں ہوتی، یہ کمبل دھویا
بھی جاسکتا ہے، اور اس کے استعمال کرنے میں ڈھائی تین آنہ رات سے زیادہ بجلی کا خرچ نہیں ہے،

سوویٹ روس کے کتبخانے

سوویٹ روس میں اسوقت (۶۷۲۸۶) رجسٹرڈ کتب خانے ہیں، اس تعداد میں (۳۶۷۴۷) پبلک
لائبریریاں، (۲۵۲۵۷) دیہی کتب خانے، اور (۵۶۴) بچوں کے مخصوص کتب خانے شامل ہیں، ان
میں کتابوں کی مجموعی تعداد چھ کروڑ ساٹھ لاکھ ہے،

برقی ٹائپ رائٹر

حال میں ایک جدید قسم کا برقی ٹائپ رائٹر ایجاد کیا گیا ہے، جس میں وقت اور زحمت کو بچانے کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے، کاغذ اور کاربن کے اوراق ایک کشتی میں رکھ کر اس ٹائپ رائٹر کے سامنے رکھ دیئے جاتے ہیں، اور یہ خود بخود ان کو کھینچ کر مشین میں لگا لیتا ہے، ٹائپ کرنے والے کو یہ زحمت نہیں کرنی پڑتی کہ ایک ورق کے ختم ہونے کے بعد دوسرا خود بخود مشین میں لگ جاتا ہے،

انگریزی حروفِ تہجی

اب تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ انگریزی حروفِ تہجی کی اصل فنیشین (Phenician) ہے لیکن حال کی تحقیقات سے یہ خیال غلط ثابت ہوتا ہے، کچھ سال قبل شام کے علاقہ راس شمرا میں جو مٹی کی تختیاں برآمد ہوئی تھیں، ان کے کتبوں کے مطالعہ سے اب تحقیق ہوا ہے کہ وہ حروف یونانی حروف سے ملتے جلتے ہیں، نہ کہ فنیشین حروف سے، اور انگریزی حروف انہی سے ماخوذ ہیں،

خطرہ کی گھنٹی

موٹر ڈرائیور جو دور کی مسافت میں کبھی کبھی اونگھنے لگتے ہیں، اور اونگھنے کی وجہ سے اکثر حادثات پیش آجاتے ہیں، ان کے لئے خطرہ کی گھنٹی ایجاد ہوئی ہے، یہ گھنٹی ڈرائیور کے گلے میں بندھی رہتی ہے، جوں ہی وہ اونگھتا ہے، اس کی ٹھوڑی گھنٹی کے بٹن پر لگتی ہے اور وہ گھنٹی بجنے لگتی ہے،

"ع ز"

بابُ التقریظ والانتقاد

ضربِ کلیم

پتہ: کتب خانہ طلوعِ اسلام، ۲۵۰ میکلوڈ روڈ لاہور، قیمت مجلد عہ، غیر مجلد عہ، ضخامت ۱۸۲ صفحے،

ڈاکٹر سر محمد اقبال کی اردو نظموں کا یہ تازہ مجموعہ چند مہینے ہوئے چھپ کر شائع ہوا ہے، شذرات میں اس کا ذکر پہلے آچکا ہے، مگر اب تنقید کی حیثیت سے اس کو ناظرین کے سامنے پیش کرنا ہے، اس مجموعہ میں ڈیڑھ سو نظمیں ہیں، جن کو اسلام اور مسلمان، تعلیم و تربیت، عورت، ادبیات، فنونِ لطیفہ، سیاسیاتِ مشرق و مغرب اور محراب گل افغان کے چند عنوانوں پر تقسیم کیا گیا ہے، کتاب کا آغاز اعلیٰ حضرت نواب صاحب بھوپال خلد اللہ ملکہ کے سرنامہ سے کیا گیا ہے، ہر عنوان کے تحت میں متعدد نظمیں ہیں جن میں شاعر نے حقائق کے چہرہ سے پردہ اٹھایا ہے، اور جیسا کہ کتاب کی لوح پر نقش ہے، یہ دورِ حاضر کے خلاف اعلانِ جنگ ہے، یا یوں کہئے کہ دورِ حاضر پر ایک حکیم شاعر کے نقطۂ نظر سے فلسفیانہ تبصرہ ہے،

ضربِ کلیم کے اقبال بانگِ درا والے اقبال نہیں، بانگِ درا میں جذبات ہیں، ضربِ کلیم میں حقائق ہیں، حکیم شاعر نے بڑے بڑے مذہبی قومی سیاسی اور تمدنی مسائل پر شاعری کے پردہ میں اپنی سنجیدہ رائے ظاہر کی ہے،

مجموعہ کے ہر شعر کی بندش نہایت سادہ، برجستہ، تکلفات سے پاک اور حشو و زوائد سے خالی ہے مختصر سے مختصر لفظوں میں بڑے سے بڑے خیال کو خوبصورتی سے ادا کیا گیا ہے،

افسوس ہو کہ غزل کی طرح ان نظموں کے چند شعروں کو نقل کر کے ان کی خوبی کی داد نہیں دیجا سکتی جب تک پوری پوری نظمیں نقل نہ کی جائیں، اور یہ ایک رسالہ کی بساط سے باہر ہے، ضرورت ہے کہ مسلمان اسکو خریدیں اور پڑھیں،

جنوری کے جامعہ میں ایک فاضل نقاد نے جو اقبال کے اس مجموعہ کو "جچی تلی رائیں، روشن تعلیم اور بے پردہ حقائق" ماننے کے باوجود اپنے مسلک کی بناپر شاعر کے چند خیالات سے اختلاف کیا ہو، اقبال نے اس میں "مہدی" کے عنوان سے چند شعروں کی ایک نظم لکھی ہے،

قوموں کی حیات انکے تخیل پہ ہو موقوف   یہ ذوق سکھاتا ہے ادب مرغِ چمن کو

مجذوب فرنگی نے باندازِ فرنگی   مہدی کے تخیل سے کیا زندہ وطن کو

اے وہ کہ تو مہدی کے تخیل سے ہو بیزار   نومید نہ کر آہوے مشکینِ ختن کو

اس پر نقاد مذکور کا یہ حسن ظن ہو کہ اس شعر میں "اقبال کا روے سخن انہی کی طرف ہے کیونکہ مہدی کے عقیدے کے **قرآنی** ہونے سے سب سے پہلے انہی نے علی الاعلان انکار کیا ہے"؟

لیکن کیا یہ واقعہ ہے؟ مہدی کے عقیدے کے "قرآنی" ہونے سے تو علی الاعلان انہی کو کیوں بلکہ سارے اہلِ سنت کو انکار ہے، منکرینِ حدیث تو منکرینِ حدیث، اہلِ حدیث تک بھی کسی قرآنی مہدی کے یعنی کسی ایسے مہدی کے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہو قائل نہیں، جو سنی مانتے ہیں وہ روایات کی بناپر مانتے ہیں قرآن کی بناپر نہیں اب رہا روایات کی عدم صحت کی بناپر انکار تو آج سو صدیوں پہلے ابن خلدون اپنے مقدمہ میں انکار کر چکا ہو اور سرسید اور انکے ساتھیوں کا مسلک بھی ہمیں معلوم ہو اس پر ایک آدھ رسالے بھی اسی زمانہ میں لکھے جا چکے ہیں اور انگریزوں اور مہدی سوڈانی کی خونریز جنگ کے بعد سے تو مہدی سے انکار تقرب شاہی کا بڑا ذریعہ رہا، اسلئے اس میں بھی نقاد کو اوّلیت کا شرف حاصل نہیں،

شاعر کا مقصد تو یہاں مہدی کے تخیل سے نٹشے کے سوپر مین (فوق البشر) کا نظریہ ہے، جس سے نٹشے نے

جرمن قوم کے سامنے ایک ترقی یافتہ آیڈیل قوم کا نمونہ پیش کر کے اس پر ترقی کی راہیں کھولدیں اسی طرح شاعر کے خیال میں مسلمانوں کو چاہیے کہ مہدی کے آیڈیل نمونہ کے مطابق اپنے کو بنانے کی کوشش کریں، یعنی اس تخیل سے مفید کام لیا جاے، غرض اس شعر کو ظہورِ مہدی کی پیشینگوئی کی واقعیت و عدم واقعیت سے کوئی تعلق نہیں،

اسی کتاب میں "الہام اور آزادی" کے عنوان سے اقبال کی دوسری نظم ہے اسمیں ایک شعر ہے،

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے،   غارت گرِ اقوام ہے وہ صورتِ چنگیز

ظاہر ہے کہ اس میں کھلا ہوا اشارہ مدعیِ قادیان کی طرف ہے، مگر نقاد موصوف اس کو حاکمیت و محکومیت کو نبوت کا معیار سمجھنے لگے ہیں، اور یہ انکشاف فرماتے ہیں کہ "اکثر انبیا علیہم السلام محکوم اقوام ہی میں مبعوث کئے گئے ہیں، جس کے خاص علل و اسباب ہیں"

لیکن اول تو سیرِ انبیاء سے ان میں سے اکثر کو محکوم اقوام میں سے ثابت کرنا مشکل ہے، پھر اصلی بات یہ ہے کہ شاعر کا مقصد یہاں نبوت سے نہیں دعواے تجدید سے ہے، تیسرے یہ ہے کہ اس نے محکوم قوم اور حاکم قوم نہیں بلکہ آزاد شخص اور محکوم شخص کہا ہو، آزاد قوم اور محکوم قوم نہیں، چنانچہ شاعر پہلے کہتا ہے :-

ہو بندۂ آزاد اگر صاحبِ الہام   ہے اسکی نگہ فکر و عمل کے لئے مہمیز

دیکھیے بندۂ آزاد کہا ہو حاکم قوم کا فرد نہیں کہا ہے، اسکے بعد دوسرا شعر ہے،

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے   غارت گرِ اقوام ہے وہ صورتِ چنگیز

یہاں بھی محکوم شخص کہا ہے، محکوم قوم کا فرد نہیں کہا ہو، شاعر کا مقصود یہ ہے کہ غلامانہ ذہنیت کیساتھ دعواے تجدید و الہام بربادی کا موجب ہے، اور آزادی کی دعوت کیساتھ جو تجدید عمل میں آئے وہ قوم کی زندگی کا سبب ہوتا ہے، شاعر نے اسی کتاب میں ایک نظم امامت پر لکھی ہے، جس کے بعض

اشعار یہ ہیں

ہے وہی تیرے زمانہ کا امام برحق — جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے — فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
فتنۂ ملتِ بیضا ہے امامت اسکی — جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے

اسی کتاب میں "پنجابی مسلمان" کے عنوان سے یہ چند شعر ہیں،

مذہب میں بہت تازہ پسند اسکی طبیعت — کرلے کہیں منزل تو گذرتا ہے بہت جلد
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا — ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے — یہ شاخِ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد

اقبال اپنی قوم کے نبّاض ہیں، انھوں نے جو کچھ جانا ہے، اوسکو نظم میں ادا کیا ہے، مگر ظاہر ہے کہ تاویلی فرقہ کے کسی علمبردار پر یہ حقیقت کتنی شاق ہو سکتی ہے، اسلئے نقّاد مذکور نے اپنی طرف سے ایک شعر اس میں اضافہ کرکے ایسے فرقہ کے لئے تسلّی کا سامان پیدا کرنا چاہا ہے، نقّاد شاعر کی تضمین ملاحظہ ہو

لیکن اُسے مل جائے جو اچھا کوئی رہبر — بگڑا ہوا مدّت کا سنورتا ہے بہت جلد

ہمارا قیاس ہے کہ اس شعر میں نقّاد شاعر کا روئے سخن خود اپنی اور اپنے مسلک کی طرف ہے، جسکو وہ شاید سمجھتے ہیں، کہ پنجاب میں فروغ ہو رہا ہے، لیکن اگر ہمارے اس قیاس کو خاکساری کے خلاف سمجھا جائے، تو قادیان کے مسلک کیطرف اشارہ ہو سکتا ہے کہ اسکو بھی پنجاب میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی تھی، واللہ اعلم بالصّواب۔

"دم"

ہندوستانی رسالوں کے

چند

سالنامے اور خاص نمبر

الفرقان شہید نمبر مرتبہ جناب مولینا منظور صاحب نعمانی، تقطیع اوسط، ضخامت ۴۴ صفحات کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت قسم اوّل ۸ر قسم دوم ۶ر، پتہ:۔ دفتر الفرقان بریلی،

الفرقان عرصہ سے علم و مذہب اور اصلاحِ عقائد و رسوم کی مفید خدمت انجام دے رہا ہے، چند مہینے ہوئے اُس نے اس مقدس جماعت کے سرگروہ حضرت مولینا اسمٰعیل شہید اور حضرت مولینا سید احمد بریلوی رحمہما اللہ کی یادگار میں الفرقان کا شہید نمبر نکالا ہے، ان دونوں جلیل القدر ہستیوں نے اسلامی ہند کے اس دورِ زوال میں جب کہ ایک طرف مسلمانوں کی ظاہری سطوت کا چراغ گل ہو رہا تھا، اور دوسری طرف ہندی عقائد و رسوم نے اسلام کی صورت مسخ کر دی تھی، ہندوستان میں ان کے خلاف علمی اور عملی جہاد کا علم بلند کیا، اور اسی راہ میں جامِ شہادت پیا، اگر یہ جہاد کامیاب ہو گیا ہوتا تو شاید آج ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہوتی لیکن یہ کسقدر افسوس کا مقام ہے، کہ خواص اور اہلِ علم کے علاوہ اچھے خاصے پڑھے لکھے مسلمان ان شہدائے حق کے حالات سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں، اور بعض بے بصیرت جماعتوں نے ان کے متعلق عجیب گمراہ کن خیالات پھیلا دیئے ہیں، اسلئے ضرورت تھی کہ ان کے اعمال جلیلہ اور صحیح حالات کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے، الفرقان کے فاضل اڈیٹر شکریہ کے مستحق ہیں، کہ انھوں نے شہید نمبر نکال کر اس ضروری فرض کو ادا کیا، اگرچہ یہ حالات ان بزرگوں کے کارناموں کے مقابلہ میں بہت کم ہیں، تاہم سرسری واقفیت کیلئے کافی ہیں، گو ان بزرگوں کے پرانے طرز کے سوانح حیات موجود ہیں، لیکن ضرورت ہے کہ کوئی باہمت بزرگ

موجودہ مذاق کے مطابق تذکرۃ الشہیدین کے نام سے ان کے حالات مرتب فرمائیں، اور ہم کو اس اعلان سے خوشی ہے کہ اسی خانوادۂ سیادت کے ایک نوجوان سعادتمند عالم مولینا ابوالحسن علی صاحب ندوی رفیق دارالعلوم ندوہ نے اس خدمت کو انجام دیدیا ہے، اور وہ عنقریب شائع ہوگی، الفرقان کے اس نمبر کے آخر کے بعض مباحث میں قلم الفرقان کے سنجیدہ طرز سے ہٹ گیا ہے، جو عموماً ایسی تحریروں میں ہوا کرتا ہے،

ادب لطیف سالانہ نمبر، مرتبہ جناب چودھری برکت علی و مرزا ادیب بی اے،

تقطیع بڑی، ضخامت ۲۲۰ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ/ پتہ دفتر ادب لطیف نو رمال روڈ، لاہور،

ادبی رسالوں میں ادب لطیف نہایت سرعت کے ساتھ ترقی کر رہا ہے، گذشتہ سال اس نے افسانہ نمبر نکالا تھا، اس سال کا سالنامہ اس نے ہر حیثیت سے افسانہ نمبر سے بڑھا دیا، ہر ذوق کے مضامین کا اچھا مجموعہ فراہم کیا گیا ہے، علمی اور سنجیدہ مضامین میں "ڈیڑھ سو برس پہلے کی علمی صحبتیں"، "مغل شہزادی جہان آرا"، "دنیا کے تذکرے" مفید اور پر از معلومات ہیں، "مشرق پر مغرب کی یلغار" اور "ہسپانیہ میں اسلام کے نقش قدم" اگرچہ سرسری ہیں لیکن عام افادہ سے خالی نہیں، ان کے علاوہ بعض اور علمی مضامین ہیں، لیکن وہ بعض نامور علماء کے مضامین سے ماخوذ معلوم ہوتے ہیں، افسانوں میں "پریم کتھا" "آخری قدم" "شکستہ رباب" "موتر" "ملکہ" "مقبرہ" "تین پیسہ کی چھوکری" "لاشوں کا شہر" پڑھنے کے لائق اور "صبح کی ڈاک"، اور "درس حیات" خاصے دلچسپ ہیں، نظم کی چاشنی بھی ہے، لیکن نثر کے مقابلہ میں اس کا مزہ پھیکا ہے،

عالمگیر کا سالنامہ مرتبہ حافظ محمد عالم صاحب، تقطیع بڑی، ضخامت ۱۲ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۱عہ/ پتہ دفتر عالمگیر بازار سید مٹھا لاہور،

عالمگیر نے حسب معمول سنہ ۳۶ء کا سالنامہ بڑے اہتمام کے ساتھ نکالا ہے، علمی تحقیقی، ادبی افسانے ہر قسم کے مضامین کا اچھا ذخیرہ فراہم کیا ہے، ان میں مولینا عنایت رسول مرحوم چریاکوٹی کا مضمون

"فاران کی تحقیق"، "تحقیق اور تبرک" دونوں حیثیتوں سے لائق مطالعہ ہے، "شاہزادہ مراد بخش"، "اردو نثر پر ایک نظر"، "کولمبس"، "خیام کے محاسن" اگرچہ سرسری ہیں، لیکن عام معلومات کے لئے خاصے ہیں، اول الذکر مضمون کے بعض پہلوؤں پر ہندوستانی میں اس سے زیادہ مبسوط اور تفصیل سے لکھا جاچکا ہے، عربوں کی جہازرانی کی اشاعت کے بعد ابن ماجد کے حالات اردو داں طبقہ کے لئے نئے نہیں ہیں، افسانوں میں "زمین کی تحریر"، "آنسوؤں کی بوندیں"، "پر موعظت"، "فرعون نے راموسی"، "جہازی لٹیرن"، "ایثار محبت"، "قاہرہ کی ایک رات"، "ناخدا"، "مہمان" اور "موت کی دولھن" دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہیں نظموں کا حصہ بھی خاصہ ہے،

ہمایوں کا سالنامہ مرتبہ جناب شبیر احمد صاحب، بیرسٹرایٹ لا، تقطیع اوسط ضخامت ۱۳۴ صفحے

کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱۲ر پتہ ۵۰ لارنس روڈ لاہور،

ہمایوں جس سلامت روی کی چال چل رہا ہے، اسکی مثال بعض پرانے زمانہ کے رسائل کے علاوہ نئے دور میں نہیں مل سکتی، اسکی ترقی و تنزل میں کوئی فرق نہیں اس کا سنہ ۳۶ء کا سالنامہ اگرچہ ظاہری زیبایش اور ضخامت میں گذشتہ سالناموں کے مقابلہ میں ہلکا ہے لیکن معنوی اعتبار سے کوئی خاص فرق نہیں معلوم ہوتا خصوصاً فاضل اڈیٹر کے قلم سے "بزم ہمایوں" میں اردو ہندی مسائل اور "جہان نما" میں سیاسیات عالم پر نہایت مفید تبصرہ ہے، اسی قلم کا مضمون "تجزیہ نفس" بھی لائق مطالعہ ہے، ان مفید مضامین کے علاوہ عام دلچسپی کے لئے افسانوں کا چٹخارہ بھی شامل ہے، "زہرہ کا عشق" "الٹ پھیر" اور "نابخت چوزے" دلچسپ افسانے ہیں نظم کا حصہ بھی غنیمت ہے،

مشورہ آگرہ نمبر، مرتبہ جناب ضیاء اکبرآبادی تقطیع اوسط ضخامت سوا پانسو صفحات

کاغذ کتابت و طباعت اوسط، قیمت مرقوم نہیں، پتہ دفتر مشورہ کٹرہ حاجی حسن آگرہ،

ارض اکبرآباد، دو متضاد اوصاف یعنی جنت سازی و جنت فروشی، اور شعر و ادب کی ایسی برابر کی حامل ہے، کہ دونوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا مشکل ہے، مشورہ ان دونوں کمالات کا تحریری

ورقع اور آگرہ کی تجارتی، صنعتی اور ادبی ڈائرکٹری ہے، ایک حصہ میں آگرہ کی جغت سازی اور جغت فروشی کے جملہ متعلقات پر تفصیلی معلومات ہیں، دوسرے حصہ میں مختلف طبقات کے مشاہیر کا مختصر تذکرہ ہے تیسرے حصہ میں آگرہ کی مختلف صنعتوں کا تذکرہ، اور یہاں کے علما، وکلا، اطبا، تجار، صناع، اور اہل حرفہ کے نام اور پتے ہیں، چوتھے حصہ میں انہی طبقات کے ہندوؤں کے حالات ہیں پانچویں حصہ میں جو آٹھ دوروں پر تقسیم ہے، یہاں کے قدیم وجدید شعراء اور ادباء کے حالات ہیں، جس میں مشہور صوفی بزرگ حضرت ابو العلاء احراری المتوفی ۱۰۶۱ھ سے لیکر صبیح اکبرابادی المولود ۳۶ھ خلف مدیر رسالہ تک کے تمام ادوار کے شعراء اور ادیبوں کے حالات، ان کے کلام کا نمونہ اور بعض کی تصاویر ہیں، غرض یہ رسالہ اکبرآباد کے متعلق ہر قسم کے معلومات کا ذخیرہ بلکہ ڈائرکٹری ہے،

صدائے نسواں خلیل نمبر مرتبہ راجہ غلام احمد صاحب فریل وانور صاحب بزمی تقطیع اوسط، ضخامت ۱۳۶ صفحات کاغذ کتابت وطباعت اوسط قیمت مذکور نہیں، پتہ دفتر صدائے نسواں دہلی،

ابھی دو ہی تین مہینہ ہوئے صدائے نسواں کا عید نمبر نکل چکا ہے، اب اوس نے خلیل نمبر نکالا ہے، جو ایک نسوانی رسالہ کو دیکھتے ہوئے بہت کامیاب ہے، مذہبی اصلاحی افسانے ہر قسم کے مفید اور دلچسپ مضامین ہیں، جن کو مرد اور عورت یکساں دلچسپی کیساتھ پڑھ سکتے ہیں، لیکن خاص عورتوں کے فائدہ کے مضامین کی کمی ہے،

حکیم حاذق کا سالنامہ (سنگ جواہر) مرتبہ جناب حکیم محمد عبد الرحیم صاحب تقطیع اوسط، ضخامت ۱۰۰ صفحات کاغذ کتابت خراب، دفتر رسالہ حکیم حاذق، گجرات پنجاب،

یہ سالنامہ جملہ ضروری طبی معلومات کا ذخیرہ ہے، اس میں عورتوں، مردوں، بچوں کے جملہ عام اور دور امراض اوران کے علاج پر مضامین اور مختلف امراض کے مجربات، ادویہ اوران کے خواص پر کافی معلومات اور مضامین ہیں، طبی نقطہ نظر سے بظاہر نہایت مفید معلوم ہوتا ہے، جس سے عام اطبا بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں

نئے رسالے اور اخبارات

مجلہ طیلسانئین (سہ ماہی) مرتبہ مجلس طیلسانئین جامعہ عثمانیہ تقطیع اوسط ضخامت ۱۵۰ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت سالانہ سے ر عثمانی، پتہ:۔ دفتر طیلسانئین بازار گھانسی، حیدرآباد،

جامعہ عثمانیہ نے ایک قلیل مدت میں اپنے طلبہ اور فارغین کی جس صلاحیت واستعداد کا ثبوت دیا ہے، اس کا ایک نمونہ مجلہ عثمانیہ ہے، جو کئی سال سے نہایت کامیابی کیساتھ نکل رہا ہے، دوسرا تازہ نمونہ مجلہ طیلسانئین ہے، یہ رسالہ فارغین جامعہ عثمانیہ نے نکالا ہے، اس میں بیشتر انہی کے مضامین ومقالات شائع ہوا کرینگے، ابھی اس کا صرف ایک ہی نمبر نکلا ہے، جس سے اس کے مستقبل کا اندازہ ہوتا ہے تمام مضامین معیاری، مفید اور پراز معلومات ہیں، امید ہے، اس کا معیار بلند سے بلند تر ہوتا جائے گا، اور وہ بہت جلد ہندوستانی زبان کے بلندپایہ رسائل میں ممتاز درجہ حاصل کرلیگا "طیلسانئین" کیلئے اگر کوئی خوبصورت اور ہلکا لفظ ہو سکتا، تو بڑا اچھا ہوتا، جسم ادب پر یہ لبادہ بڑا بھاری ہے،

بہارستان (ماہوار) مرتبہ جناب اختر صاحب وارثی، تقطیع اوسط، ضخامت ۸۰ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت اعلیٰ قیمت سالانہ للعہ ر ششماہی عار فی پرچہ ۸ر پتہ دفتر بہارستان محلہ عالی خور د جالندھر،

بہارستان ایک علمی وادبی رسالہ ہے، ابھی اس کے صرف تین نمبر نکلے ہیں، اور ہر نمبر اپنے ماقبل سے بڑھ کر ہے، مضامین کے اعتبار سے وہ اکثر رائج الوقت رسالوں سے بلند ہے، وہ محض تفریحی لٹریچر پیش نہیں کرتا، بلکہ ادبی اور تفریحی مضمونوں کے ساتھ اس میں مفید علمی اور تاریخی مضمون بھی ہوتے ہیں، اگر اسکی یہ رفتار قائم رہی، تو وہ بہت جلد ہندوستانی زبان کے سنجیدہ رسائل کی صف

میں آجائے گا،

شاہراہ (ماہوار) مرتبہ جناب مولوی فصیح الزمان صاحب صدیقی، تقطیع بڑی ضخامت ۴۴ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت معمولی، قیمت صرف ۴ر محصولڈاک، پتہ دفتر شاہراہ لال باغ نمبر ۱۲ متصل مسجد مولوی خیرالدین بمبئی،

یہ ایک مذہبی اخلاقی اور اصلاحی رسالہ ہے، جس کا مقصد صرف مسلمانوں کی اصلاح اوران کی مذہبی خدمت ہے، اسی لئے اُس نے اپنی کوئی قیمت نہیں رکھی، اس کے مقصد کے لحاظ سے بیشتر مضامین مذہبی اور اصلاحی ہوتے ہیں، تاریخی مضامین اور افسانے بھی نظر آتے ہیں، لیکن مذہبی رنگ لئے ہوئے، ایک حصہ شعروشاعری کا ہے، مگراس میں زیادہ تر منقولات ہوتے ہیں، امید ہے کہ یہ مخلص خادم مسلمانوں میں مقبول ہوگا،

ہمدرد جامعہ، (ماہوار) مرتبہ جناب ناظم صاحب ہمدرد جامعہ تقطیع اوسط ضخامت ۳۲ صفحات کاغذ کتابت وطباعت بہتر ہمدردانِ جامعہ کے پاس مفت بھیجا جاتا ہے، پتہ:۔ جامعہ ملیہ دہلی،

کئی سال ہوئے جامعہ کے بعض مخلص کارکنوں نے جامعہ کی مالی حالت درست کرنے کے لئے ہمدردانِ جامعہ کے نام سے اس کے مالی معاونین کا ایک حلقہ قائم کیا تھا، یہ رسالہ اسی کا آرگن ہے جس میں جامعہ کے حالات اور قومی تعلیم پر مفید مضامین ہوتے ہیں، اور حلقہ کی ہر مہینہ کی آمدنی کا گوشوارہ درج ہوتا ہے،

حکیم دکن (ماہوار) مرتبہ جناب حکیم انیس احمد صاحب خیرآبادی تقطیع اوسط ضخامت ۴۰ صفحات کاغذ کتابت وطباعت اوسط قیمت سالانہ عہ فی پرچہ ۳ر پتہ یونانی طبی بورڈ حیدرآباد دکن،

یہ رسالہ اعلیٰ حضرت کے جشن سیمیں کی یادگار میں حیدرآباد کے یونانی طبی بورڈ نے جاری کیا ہے،

اس میں طب یونانی کے مختلف پہلوؤں پر نہایت مفید اور پراز معلومات مضامین اور امراض وعلاج کے متعلق مفید معلومات ہوتے ہیں، امید ہے کہ یہ رسالہ حیدرآباد میں طب یونانی کی مفید خدمت انجام دیگا،

مسجد، (ہفتہ وار) مرتبہ جناب سید سرور شاہ صاحب گیلانی، تقطیع اوسط اخباری ضخامت غیر معین، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت سالانہ صہ ششماہی سے سہ ماہی عہ پتہ دفتر مسجد مصری شاہ لاہور

اسلام کے عہد زریں میں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا مرکز مسجد تھی، ان کے جملہ قومی اور مذہبی امور اسی ایوان الٰہی میں طے ہوتے تھے، لیکن اور شعبوں میں مسلمانوں کے انتشار کیساتھ ساتھ مسجد کی مرکزیت بھی جاتی رہی، سید ولایت شاہ گیلانی نے مساجد کو دوبارہ ان کی حیثیت پر لانے کے لئے اُن کی تنظیم کی تحریک شروع کی ہے، یہ اخبار اسی تحریک کا آرگن ہے، اس تحریک کے فرائض نہایت مفید اور وسیع ہیں، جس میں مساجد کی ظاہری تنظیم کے ساتھ ائمۂ مساجد کی تعلیم وتربیت، ان کا صحیح انتخاب، خطبات کی وحدت، ان کو مفید بنانا، بیت المال کا قیام، زکوٰۃ کی تحصیل اور اسکی تنظیم، مساجد کے متعلق قرآنی مکاتیب، اور کتب خانوں کا قیام وغیرہ بہت سے اہم اُمور داخل ہیں، اگر یہ مفید تحریک مسلمانوں میں مقبول ہوجائے، تو ان کی بہت سی اجتماعی گتھیاں آسانی کے ساتھ سلجھ سکتی ہیں، اس تحریک کی اشاعت کے ساتھ یہ اخبار جمعہ میں پڑھنے کے لئے ہر ہفتہ کسی مفید مذہبی موضوع پر ایک خطبہ بھی دیتا ہے، اسکے علاوہ مختلف مفید مذہبی مضامین اور معلومات پیش کرتا ہے، بقدر ضرورت سیاسی خبریں بھی ہوتی ہیں

صبح دکن، (ہفتہ وار) مرتبہ جناب احمد عارف صاحب وعلی اشرف صاحب، تقطیع اوسط، اخباری ضخامت ۴۴ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت اوسط، قیمت سالانہ ۳ر ششماہی للعہ فی پرچہ ۳ر پتہ:۔ غالبًا دفتر صبح دکن حیدرآباد کافی ہوگا،

اعلیٰ حضرت کے جشن سیمیں کے برکات میں سے ایک برکت یہ بھی ہے، کہ اسکی یادگار میں مملکت آصفیہ میں متعدد اچھے اخبارات ورسائل کا اضافہ ہوا، انہی میں ایک صبح دکن ہے، اگرچہ ابھی اس کے

صرف چند ہی نمبر نکلے ہیں، لیکن وہ ہندوستانی زبان کے کسی بہتر سے بہتر ہفتہ وار سے کم نہیں، مضامین کے تنوع، انتخاب اور ترتیب سے سلیقہ مندی نمایاں ہے، علمی ادبی یا تاریخی مضامین، موجودہ سیاسی، اقتصادی اور دوسرے اہم مسائلِ حاضرہ پر تبصرہ، مملکت آصفیہ برطانوی ہند اور بیرونی ممالک کی خبریں وغیرہ جملہ اخباری مضامین کے لحاظ سے پڑھنے کے لائق اخبار ہے، امید ہو کہ وہ دکن اور بیرونِ دکن ہر مقام پر قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائیگا،

ندیم (ہفتہ وار) مرتبہ جناب محمود الحسن صاحب صدیقی، بی اے علیگ تقطیع بڑی ضخامت ۴۴ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، ٹائٹل دیدہ زیب، قیمت سالانہ سے ششماہی ۳ر فی پرچہ ۱ر، پتہ ندیم بھوپال،

سرزمین بھوپال میں ہمیشہ سے علم وادب کا مذاق رہا ہے، اور مختلف اوقات میں یہاں سے متعدد اچھے رسائل نکل چکے ہیں، لیکن ادھر عرصہ سے سناٹا تھا، اب ندیم پھر نوید ادب لیکر نکلا ہے، یہ ایک علمی و ادبی اخبار ہے، بقدر ضرورت سیاست سے بھی علاقہ رکھتا ہے، ہر ہفتہ علمی، ادبی، تاریخی، سیاسی ہر رنگ کے اچھے مضامین پیش کرتا ہے، اہم سیاسی اخبار کا خلاصہ بھی دیتا ہے، امید ہو کہ یہ اخبار صاحب ذوق طبقوں میں مقبول ہوگا،

مسلم یونیورسٹی گزٹ، (ہفتہ وار) مرتبہ وائس چانسلر ورحم علی صاحب ہاشمی، تقطیع اوسط اخباری، صفحات کی تعداد متعین نہیں معلوم ہوتی، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت سالانہ للعہ، پتہ:- مسلم یونیورسٹی علی گڈھ،

مسلم یونیورسٹی کے لئے کسی ایسے اخبار کی بڑی سخت ضرورت تھی، جو مسلمانوں کو وہاں کے حالات سے آگاہ کرتا رہے، وائس چانسلر صاحب نے اس ضرورت کا احساس کرکے آغاز سال (۱۹۳۷ء) سے مسلم یونیورسٹی گزٹ کے نام سے یہ ہفتہ وار جاری کیا ہے، جس میں یونیورسٹی کے مختلف شعبوں کے حالات

ہندوستان کی مختلف قوموں کی تعلیمی اور تمدنی سرگرمیاں، اور سیاست وحکمت پر مضامین اور عالم اسلامی کی خبریں ہوا کریں گی، ابھی غالباً ابتدائی مراحل کیوجہ سے ان مقاصد کی پوری پابندی نظر نہیں آتی، مگر امید ہے کہ وہ بہت جلد مسلم یونیورسٹی کے معیار پر آجائے گا، چند صفحات انگریزی کے بھی ہوتے ہیں،

قوم (ہفتہ وار) مرتبہ جناب ابوسعید عبدالقیوم صاحب، تقطیع اوسط اخباری ضخامت ۱۲ صفحات، قیمت مرقوم نہیں، پتہ نمبر ۱۵۵ ابریلی اسٹریٹ بنگلور،

یہ اخبار بنگلور سے نکلتا ہے، ہفتہ وار اخباروں میں خاصہ ہے، ہفتہ بھر کی سیاسی خبریں اور مختلف ممالک کے اہم سیاسی حالات دیتا ہے، کبھی کبھی بعض مستقل اور مفید مضامین بھی نظر آتے ہیں، اہم حوادث پر تبصرہ ہوتا ہے، مجموعی حیثیت سے پڑھنے کے لائق ہوتا ہے،

آئینہ (ہفتہ وار) مرتبہ جناب قاضی محمد حامد صاحب حسرت، تقطیع اخباری ضخامت ۸ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت اوسط، قیمت سالانہ سے ششماہی ۳ر، سہ ماہی ۲ر، فی پرچہ ار، پتہ دفتر آئینہ فیض آباد،

یہ اخبار ابھی تھوڑے دنوں سے جاری ہوا ہے، اگرچہ وہ ظاہری شکل وصورت میں اچھے ہفتہ وار اخبارات سے کم نہیں ہے لیکن خبروں اور مضامین کے لحاظ سے ابھی بالکل ابتدائی منزل میں ہے، سیاسی خبروں کا حصہ بہت کم ہوتا ہے، کبھی کبھی ادبی مضامین اور عام معلومات کی بعض چیزیں بھی نظر آتی ہیں، لیکن ابھی اسکو بہت ترقی دینے کی ضرورت ہے،

شیرازہ (ہفتہ وار) مرتبہ جناب محمود افضل صاحب بی اے، تقطیع اوسط اخباری ضخامت ۱۶ صفحات، کاغذ معمولی کتابت وطباعت بہتر، قیمت سالانہ سے ششماہی ۲ر، پتہ برکت علی روڈ دل محمد اسٹریٹ لاہور

شیرازہ ایک ادبی اور فکاہی اخبار ہے، بیشتر مضامین میں خاصی ظرافت کی چاشنی ہوتی ہے، لیکن کہیں کہیں ذرا تیز ہو کر پھیکی پڑ جاتی ہے، خوش قسمتی سے اسکو سالک صاحب جیسے صاحب سلوک بزرگ اور سندباد جہازی جیسے تجربہ کار دریائی مسافر کی رہبری کا فخر ہے، حوادث وافکار اور اشارات خصوصیت کیساتھ زیادہ پرلطف ہوتے ہیں، امید ہو کہ زندہ دل اصحاب اس پیغام طرب کا گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کرینگے،

مطبوعات جدیدہ

قنوطیت یعنی فلسفۂ یاس از جناب میر ولی الدین صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی، بیرسٹر ایٹ لا استاذ فلسفہ جامعہ عثمانیہ، تقطیع اوسط، ضخامت ۱۱۰ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت معلوم نہیں، مصنف سے ملے گی،

یہ مسئلہ کہ دنیا میں رجائیت لذت اور خیر زیادہ اور اصل شے ہے، یا قنوطیت الم اور شر زمانۂ قدیم سے مختلف فیہ چلا آتا ہے، ہر دور میں دونوں خیال کے حکما رہے ہیں، اور دوسرے خیال کے حکما کی تعداد زیادہ ہے حتیٰ کہ یہ مادی دور بھی جبکہ ساری دنیا تعیش اور مادیات کے سیلاب میں بہی چلی جارہی ہے، ایسے حکما سے خالی نہیں، فاضل مصنف نے اس کتاب میں فلسفۂ جدیدہ کی روشنی میں اخلاقی نظری، اور تاریخی دلائل اور حکمائے مغرب کے اقوال وآرا سے دکھایا ہے، کہ اصل شے یاس اور قنوط ہے، دنیا اسباب الم سے بھری ہوئی ہے، جہاں سکون ومسرت کا نام نہیں، پھر ان دلائل پر تنقید کرکے ان کی قوت دکھائی ہے، آخر میں حقیقی مسرت کا راز ظاہر کیا ہے، اگرچہ اس کتاب میں اس مسئلہ پر خالص فلسفیانہ نقطۂ نظر سے بحث ہے، لیکن ایک حد تک یہ مسئلہ مذہبی بھی ہے، دنیا کے تقریباً تمام مذاہب نے مختلف پیرایوں میں اس حقیقت کو پیش کیا ہے، بعض مذاہب کی تو یہ اساسی تعلیم ہے، کہ دنیا صرف دار المحن ہے، جہاں لطف ومسرت کا نشان نہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رنج والم کے ہجوم کے مقابلہ میں حقیقی مسرت کا وجود بہت کم ہے، جو چیزیں ہم کو بظاہر سامان مسرت معلوم ہوتی ہیں، وہ بھی محض آنی اور اعتباری ہیں اور ان کا خمیازہ ان سے کہیں زیادہ سخت ہے، لیکن اس حقیقت کو مان لینے کے بعد کارخانۂ عالم درہم ہوا جاتا تھا اس لئے بعض مذاہب نے اس میں یہ اعتدال پیدا کردیا، کہ اگرچہ دنیا دار المحن ہے، لیکن خاص قوانین

کی پابندی سے سکونِ قلب حاصل ہوسکتا ہے، اور یہی اصل حقیقت ہے، اسی حقیقت کو لائق مصنف نے نہایت دلنشین اور فلسفیانہ انداز میں پیش کیا ہے، موقع بموقع حکیمانہ اشعار کی آمیزش نے انداز بیان کو زیادہ موثر بنا دیا ہے، کتاب اس لائق ہے کہ نہ صرف فلسفہ کی حیثیت سے بلکہ ایک دلکش حقیقت کی حیثیت سے اس کا مطالعہ کیا جائے،

مقالہ تحفظِ علومِ قدیمہ از جناب سید محمد ہاشم صاحب ندوی رکن دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن تقطیع بڑی ضخامت ۴۸ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، پتہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن

یہ مقالہ مولینا ہاشم صاحب ندوی نے آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس کے میسور کے اجلاس میں پڑھا تھا، اس میں علوم وفنون کے آغاز ان کی عہد بعہد کی ترقی اور تنزل کی اجمالی سرگذشت بیان کی گئی ہے، پہلے علم وفن کے قدیم گہواروں، بابل، فارس اور یونان کی علمی ترقی وتنزل کے مختصر حالات ہیں، پھر اسلامی دور میں امویہ دمشق، عباسیۂ بغداد اور امویہ اندلس کے علمی خدمات اور ان کے عہد کی علمی ترقیوں کا کسی قدر تفصیلی تذکرہ ہے، اس سلسلہ میں ابن رشد اور ابن سینا کے فلسفہ اور اسکے اثرات بھی آگئے ہیں، پھر عربی کتابوں کے لاطینی تراجم، شرقی علوم سے مستشرقین کی دلچسپی، یورپ میں ابن رشد اور ابن سینا کے فلسفہ کی اشاعت ومقبولیت، مشرقی سوسائٹیوں اور درسگاہوں کے قیام اور بعض مستشرقین کے علمی خدمات کا تذکرہ ہے، پھر ان کے اثر سے مصر میں مشرقی علوم سے دلچسپی، اور نوادر کتب کی طبع واشاعت کا مختصر ذکر ہے، پھر ہندوستان کے مشرقی علوم کے اداروں کے حالات ہیں، اس ضمن میں بعض ان علماء کے نام بھی آگئے ہیں، جنھوں نے اپنے ذاتی شوق سے نوادر کتب شائع کئے، آخر میں دائرۃ المعارف کی جو ہندوستان میں عربی نوادر کتب کی اشاعت کا تنہا ادارہ ہے، تاریخ اور اس کے تفصیلی حالات، اس کے کارکنوں اور رفقاء کے نام اور اسکے مطبوعات کی فہرست ہے، اس طرح یہ مقالہ علوم کی تاریخ پر ایک مفید تبصرہ ہے،

علامہ شبلی بحیثیت شاعر از جناب قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڈھی تقطیع اوسط

ضخامت ۴۰ صفحات کاغذ سپید دبیز، ٹائپ صاف و روشن، قیمت مرقوم نہیں، پتہ قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھ کاٹھیاوار،

مولینا شبلی کی علمی خدمات پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان کی شاعرانہ حیثیت پر اب تک کسی نے مستقل نہیں لکھا، قاضی احمد میاں نے اس مقالہ میں جسکو انھوں نے ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کے جلسہ میں پڑھا تھا، اس فرض کفایہ کو ادا کیا ہے، یہ مقالہ مولینا مرحوم کی شاعری پر سیر حاصل تبصرہ ہے، مولینا مرحوم کی شاعرانہ فطرت اور ان کی شاعری کے محرکات اور اسباب کو دکھانے کے بعد انکی اردو شاعری پر جس کا بڑا حصہ بلکہ تقریباً کل مذہبی قومی سیاسی اور تاریخی نظموں اور بعض وقتی منظومات پر مشتمل ہے، تفصیلی تبصرہ کرکے دکھایا ہے، کہ اگرچہ اس صنفِ شاعری کے موجد دوسرے بزرگ تھے، لیکن اس خشک اور بے مزہ واقعہ نگاری میں مولینا نے شاعرانہ لطافتیں اور آب ورنگ پیدا کرکے اس کو واقعی شاعری بنا دیا، اس سلسلہ میں مولینا کے سیاسی خیالات اور اس عہد کے بعض واقعات بھی آگئے ہیں، جو بجائے خود مولینا کے خدمات کا ایک اہم پہلو ہیں، آخر میں مولینا شبلی اور مولینا حالی کی شاعری کا موازنہ کرکے دونوں کا فرق واضح کیا گیا ہے،

تقریر سیرت، مولینا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ العلماء، تقطیع اوسط، ضخامت ۲۶۲ صفحات کاغذ معمولی کتابت وطباعت اچھی، قیمت ۱۲ر، پتہ دفتر اخبار انصاری طیماران دہلی،

مولینا احمد سعید صاحب نے ناگپور کے جلسۂ سیرت کے موقع پر یہ تقریر فرمائی تھی، جسے اب ادارۂ اخبار انصاری نے کتابی صورت میں شائع کیا ہے، اس میں مذہب، اخلاق، تہذیب، معاشرت کی دینی تعلیمات اور سیاست واقتصادیات وغیرہ کے مسائل حاضرہ بیان کئے گئے ہیں، رنگ واعظانہ ہے، جابجا لطیفوں چٹکلوں اور قصص وحکایات کی آمیزش نے اسکو زیادہ پرلطف بنا دیا ہے، مولینا کی تقریر کے قدردانوں کیلئے جنھیں خود انکی زبان سے سننے کا کم موقع ملتا ہے، یہ کتاب دلچسپ تحفہ ہے، اس تقریر سیرت میں چند صفحے اردو شعر وادب پر ہیں، ان میں مشہور شاعرات کا نام بھی امان تیاگیا ہے، حالانکہ تذکروں میں غنیمت بخش لکھا ہے، زیب النساء کی طرف جو شعر منسوب کیا گیا ہے، وہ حقیقت میں صیدی کا ہے،

"م"